جولائی اگست ستمبر

جاری شدہ ۱۹۹۵

سہ ماہی

جامِ شہود

بہار شریف

گوش کن اسرار عشق و نوش کن جام شہود
اندریں جامت نماید روئے جاناں السماع

خواجہ قیام اصدق

★ اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے
★ اردو کی ادبی تحقیق میں فارسی زبان
★ دینی جلسے: چند ضروری اصلاحات اور تجاویز
★ مثبت زاویے تعمیر نو کی ضمانت
★ بیرسٹر اسد الدین اویسی کے نام ایک خط

چیف ایڈیٹر:
سیّد رکن الدّین اَصدق

ایڈیٹر:
سیّد نورُ الدّین اَصدق مُصباحی

Rs/-
30

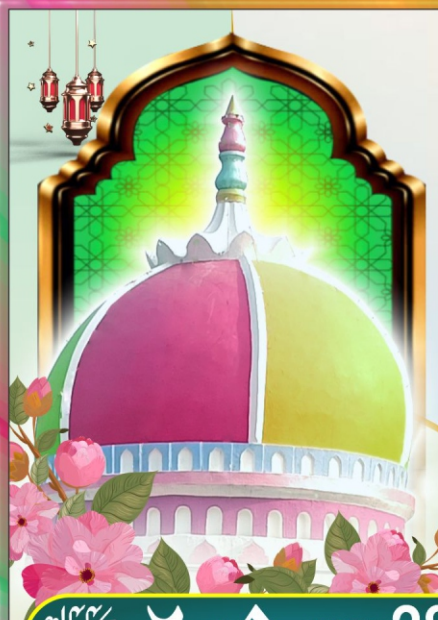

117 واں سالانہ

عرس شہودی اصدقی

مئے وحدت کے متوالو شراب اصدقی پی لو
کھلا ہے آج میخانہ شہود الحق چشتی کا
صد سالہ دور چرخ ہے ساقی کا ایک جام
نکلے جو میکدہ سے تو دنیا بدل گئی

بمقام
آستانہ چشتی چمن
پیر بیگھہ شریف ضلع نالندہ
بہار

۲۸/۲۹ ستمبر 2025 Sunday Monday
۶/۵ ربیع الثانی ۱۴۴۷ھ
بروز اتوار سوموار

سند السالکین شیخ الجن والانس قطب عالم حضور سیدنا خواجہ شاہ

قیام اصدق الصادق الچشتی

رضی عنہ اللہ (المتوفی) ۱۳۰۱ھ

کے

خلف اکبر و جانشین
سند المحدثین قطب الارشاد علامہ الحافظ سید شاہ

محمد شہود الحق اصدقی الچشتی

رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) ۱۳۳۱ھ

کا

ایک ۱۱۷ سو سترہ سالہ **عرس شہودی اصدقی** روایتی شان و شوکت کے ساتھ مندرجہ بالا تاریخوں میں حسب ذیل پروگرام کے تحت منعقد ہو رہا ہے جس میں مشاہیر علماء، مقتدر مشائخ اور نامور دانشوران اسلام بڑی تعداد میں شریک ہو رہے ہیں۔ لہذا تمام عقیدت مندان اولیاء کو بالعموم اور جملہ وابستگان سلسلہ اصدقیہ کو بالخصوص دعوت دی جاتی ہے کہ سارے پروگرام عرس میں شریک ہو کر فیضان اولیاء کے چشمہ صافی سے خوب خوب سیراب ہوں۔

۵ ربیع الثانی، بروز اتوار، بعد نماز ظہر حلقۂ ذکر و تقسیم لنگر
وبعد نماز مغرب چادر پوشی و گل اندازی
۵ ربیع الثانی بروز اتوار بعد نماز عشاء مجلس میلاد پاک
رسم اجرا کتاب "عہد حاضر اور مسلمان"
۶ ربیع الثانی بروز سوموار بعد نماز فجر قرآن خوانی

۶ ربیع الثانی بروز سوموار ۸/ بجے سے ۹/ بجے تک
موئے مبارک کی زیارت
۶ ربیع الثانی بروز سوموار ۹/ بجے سے ۱/ بجے تک مجلس سماع
بعدہ فاتحہ خوانی اجگان اور دعائے اختتام بعد نماز ظہر: تقسیم لنگر
۶ ربیع الثانی بروز سوموار بعد نماز مغرب محفل ذکر

الداعی سید شاہ رکن الدین اصدق چشتی آستانہ چشتی چمن پیر بیگھہ شریف، ضلع نالندہ (بہار)
9934037310 - 9110026205 - 6207784971

Disigned by:
#ASD 8521878692

جلد نمبر — ۳۰ شمارہ نمبر — ۳
فون (آفس): 09110026205

محرم الحرام تا ربیع الاول ۱۴۴۷ھ
جولائی تا ستمبر ۲۰۲۵ء

سہ ماہی جامِ شہود بہار شریف

بیادگار
برہان المتاخرین قطب الارشاد
حضرت العلامہ الحافظ سید شاہ
محمد شہود الحق
اصدقی الچشتی القادری
علیہ الرحمۃ والرضوان

ترے میکدے میں کمی ہے کیا، جو کمی ہے ذوقِ طلب میں ہے
جو ہوں پینے والے تو آج بھی وہی بادہ ہے وہی جام ہے

چیف ایڈیٹر
سید رکن الدین اصدق

اعزازی
سید سیف الدین اصدق

ایڈیٹر
سید نور الدین اصدق

مینیجر
محفوظ صدف بھاگلپوری

رفقائے ادارہ

❋ مولانا سید شاہ عین الدین چشتی، شیخ پورہ، نوادہ
❋ مولانا سید شاہ غلام رسول نقشبندی، اعظم گڑھ
❋ الحاج سید شاہ شرف الدین نیر قادری، اجھر شریف
❋ مولانا سید شاہ صباح الدین منعمی، خانقاہ منعمیہ، گیا
❋ حافظ سید شاہ اطہر امام اصدقی، ارمئی شریف، گملا
❋ مولانا سید شاہ فیضان الہدی قادری ابوالعلائی، پنڈ شریف
❋ مولانا سید شاہ ارشد افضلی فریدی اصدقی، نوادہ
❋ مولانا الحافظ غلام اصدق سنجری، لوہردگا
❋ جناب حافظ محمد فہیم رضا اصدقی، دھنباد
❋ جناب ماسٹر محمد سمیع اللہ خاں اصدقی، رانچی

مجلس ادارت

❋ حضرت پروفیسر سید شاہ طلحہ رضوی برق، داناپور
❋ حضرت مولانا محمد علی قاضی، ضلع ہبلی، کرناٹک
❋ جناب مولانا ڈاکٹر خوشتر نورانی، امریکہ
❋ جناب پروفیسر فاروق احمد صدیقی، سیتامڑھی
❋ جناب مولانا صوفی نواز احمد سعیدی، غازیپور

زرِ تعاون

★ فی شمارہ ۳۰/روپئے ★ سالانہ ۱۵۰/روپئے
★ خصوصی ۵۰۰/روپئے ★ اعزازی ۵۰۰۰/روپئے

ای میل کا پتہ:
E-mail.-jameshohood01@rediff mail.com
E-mail.-jshohood01@gmail.com

آفس سہ ماہی جامِ شہود مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف
پکی تالاب، بہار شریف (نالندہ)

مشمولات

بزرگوں کے بیاض سے	حیات جاوید	حضرت مولانا شاہ ظہور الحق چشتی رحمۃ اللہ علیہ	۳
اداریہ	ووٹرلسٹ کے نام پر 'این آر سی' کی خطرناک سازش	سید سیف الدین اصدق چشتی	۴
قرآنی اسباق	وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْراهِيمُ الْقَواعِدَ مِنَ الْبَيْتِ - الخ	ادارہ	۷
درس رسول	نفاق کے اقسام اور اس کی سنگینی	ادارہ	۹
اسلاف کے قلم سے	حق تعالیٰ کے اسرار چھپانے اور خلق کی سرگرانی میں	سلطان المحققین شیخ شرف الدین احمد رضی اللہ عنہ	۱۲
تصوف	مکتوبات اصدقی کا مکتوب نمبر ۲۲	ادارہ	۱۴
فقہ کے باب سے	دینی مسائل	محمد خواجہ اکرام مصباحی	۱۸
سیرت	**حسنت جمیع خصالہ**	سید رکن الدین اصدق چشتی	۲۲
شخصیات	اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے	سید نور الدین اصدق چشتی مصباحی	۲۸
نقد و نظر	زبان خلق می گوید	ادارہ	۳۳
متفرقات	محبت رسول اور اس کے عملی تقاضے	سید سیف الدین اصدق چشتی مصباحی	۴۱
,,	مثبت زاویے تعمیر نو کی ضمانت	ڈاکٹر خواجہ افتخار احمد	۴۸
,,	رب کے در پر آئیں تو دل کو ساتھ لائیں	قاری محمد اشرف ہاشمی	۵۰
,,	اردو کی ادبی تحقیق میں فارسی زبان کی اہمیت	پروفیسر فاروق احمد صدیقی	۵۲
,,	دینی جلسے: چند ضروری اصلاحات	محمد شہباز عالم مصباحی	۵۵
,,	علماء وائمہ کا وقار انحطاط پذیر ہے	محمد شہادت حسین فیضی	۵۷
,,	خود اپنے گھر کی ہوا نے بجھا دیا ہے مجھے!	ڈاکٹر غلام زرقانی	۶۱
ادب کی دنیا	نعتیں، غزلیں	ادارہ	۶۳
جماعتی خبریں	آہ قاری تاج الدین خوشتر سہسرامی	حافظ توصیف عالم اصدقی	۶۴

شعرائے کرام:

جگن ناتھ آرزو، عبدالمجید فیضی سمبلپوری، طفیل احمد حافظ سمبلپوری، طفیل احمد مصباحی

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلیشر اور پروپ رائٹر: **سید نور الدین اصدق مصباحی** نے پاکیزہ آفسیٹ پریس، شاہ گنج، پٹنہ ۶ سے چھپوا کر دفتر سہ ماہی جام شہود مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف پکی تالاب بہار شریف نالندہ ۸۰۳۱۰۱ سے شائع کیا۔

حیات جاوید

از: حضرت مولانا سید شاہ ظہور الحق اصدقی چشتی رحمۃ اللہ علیہ، چشتی چمن پیر بیگھہ شریف

کھچ کے واعظ بھی چلے آئے ہیں مے خانے میں
ساقیا کون سی مے ہے ترے پیمانے میں

دل میں آکر کبھی ارمانوں کا غوغا تو سنو
ایک آبادی ہے پنہاں مرے ویرانے میں

ہر تماشہ میں وہ کرتا ہے تماشہ تیرا
ہوشیاری یہ بڑی ہے ترے دیوانے میں

مجھ سے دیوانے کو اے حضرت واعظ کہیے
فائدہ آپ نے کیا سمجھا ہے سمجھانے میں

عشق میں مر ہی کے ملتی ہے حیات جاوید
راز پنہاں ہے یہ پروانہ کے جل جانے میں

محمل دل کی طرف جھانک کے دیکھو تو ظہورؔ
حسن لیلیٰ کی ضیا ہے اسی کاشانے میں

☆☆☆

نوٹ: صاحب کلام حضور قطب عالم سیدنا خواجہ شاہ قیام اصدق الصادق الچشتی رضی اللہ عنہ کے منجھلے صاحبزادے ہیں۔

اداریہ

ووٹر لسٹ کے نام پر ''این آر سی'' کی خطرناک سازش

از: سید سیف الدین اصدق چشتی

بھارت میں بھاجپا حکومت کس طرح مسلمانوں کے اوپر زمین تنگ کر رہی ہے، اس سے ہر ذی شعور بندہ خوب واقف ہے۔ اس حکومت کے مظالم اور ناانصافیوں کی اس قدر لمبی فہرست ہے کہ ایک دفتر جمع ہو جائے۔ ہمارے ملک کی زمین اس قدر وسیع وعریض ہے اور تہذیب وتمدن، فکر ومزاج، زبان وبیان، گنگا جمنی ماحول اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی رکھتی ہے کہ وہ چاہ کر بھی یکبارگی اپنے مفسد اور خطرناک عزائم کو نافذ نہیں کر پا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے نفاذ کے لیے وہ چور راستے تلاش کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلموں کی بڑی تعداد بھی اب ان کے ظالمانہ قانون کا نشانہ بننے لگی ہے۔ دہلی اور دوسری ریاستوں میں جب تک غیر بھاجپائی حکومت تھی تو لوگ سکھ چین سے رہ رہے تھے مگر بھاجپا کے آتے ہی سبھوں کا حال بے حال ہو گیا۔ میڈیا کے سامنے آکر بہت سارے ہندو یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ کل تک ہم بھی ''مودی بھکت'' تھے اور خوش تھے کہ مسلمانوں کی چوڑی ٹائٹ ہو رہی ہے مگر اب پتہ چل رہا ہے کہ یہ حکومت کسی کی نہیں ہے۔ مرحوم راحت اندوری کا یہ شعر بہت مقبول ہوا۔

لگے گی آگ تو آئیں گے گھر کئی زد میں
یہاں پہ صرف ہمارا مکان تھوڑی ہے

بہار میں آئندہ اسمبلی انتخابات سے عین قبل الیکشن کمیشن کی جانب سے شروع کی گئی ووٹر لسٹ کی خصوصی نظر ثانی کا عمل اسی کا حصہ ہے۔ اس اچانک اقدام کو آبادی کے ایک بڑے حصے بالخصوص اقلیتوں اور کمزور طبقات کو حق رائے دہی سے محروم کرنے کی کوشش کے طور پر دیکھا جا رہا ہے۔ بہار میں یہ نظر ثانی ۲۳ رسال کے بعد کی جا رہی ہے، اور ووٹروں کو اپنی شہریت کا ثبوت فراہم کرنے کے لیے بہت کم وقت دیا گیا ہے، کیونکہ یہ عمل ۳۰ رستمبر تک مکمل ہونا ہے۔ الیکشن کمیشن کے نوٹیفکیشن کے مطابق، تمام ووٹروں کو اپنی تاریخ پیدائش اور جائے پیدائش کا ثبوت فراہم کرنا ہوگا تاکہ ان کا نام نئی فہرست میں شامل کیا جا سکے۔ ۱۹۸۷ء کے بعد پیدا ہونے والوں کو بھی اپنے والدین کے وہی کاغذات جمع کرانا ہوں گے۔ جن لوگوں کے نام ۲۰۰۳ء کی نظر ثانی میں نہیں تھے انہیں بھی شہریت ثابت کرنے والے دستاویزات دکھانا ہوں گے۔

طلب کیے گئے دستاویز وغیرہ کی قدرے تفصیل درج ذیل ہے:

بہار میں الیکشن کمیشن آف انڈیا نے خاص گہری ووٹر لسٹ ریویژن (Special Intensive Revision SIR) کے تحت نئے یا غیر رجسٹرڈ ووٹرز سے درج ذیل 11 دستاویزات پیش کرنے کو کہا ہے تاکہ ان کی شناخت، شہریت اور پیدائش کی تاریخ رمقام کی تصدیق ہو سکے۔ آدھار، PAN، ووٹر ID، ڈرائیونگ لائسنس یا ration card کو اس فہرست میں شامل نہیں کیا گیا۔ (۱) مرکزی یا ریاستی حکومت یا PSU میں ملازمین رپنشنرز کو جاری کردہ شناختی کارڈ یا پنشن پیمنٹ آرڈر (۲) 1 جولائی 1987 سے پہلے جاری شدہ کسی بھی سرکاری رپبلک رادارہ گھر رLIC/PSU کی شناختی دستاویز (۳) پیدائش کی سرکاری سند (Birth Certificate) (۴) پاسپورٹ (۵) میٹرک یا کسی معتبر بورڈ رو یونیورسٹی سے تعلیمی سند (Matriculatory رeducational

certificate)(۶)مستقل رہائش(Domicile)سرٹیفکیٹ (۷)Forest Rights Certificate(جیسے جنگلات سے متعلق حقوق کی تصدیق)(۸)SC/ST/OBC نسل کا سرٹیفکیٹ(Caste Certificate)(۹)National Register (NRCof Citizens))(جہاں موجود ہو)(۱۰)Family Register، جو ریاستی یا لوکل اتھارٹی کی طرف سے جاری ہو(۱۱) سرکاری زمینی یا رہائشی الاؤنمنٹ کا سرٹیفکیٹ(Land or house allotment certificate)

اضافی وضاحت: یہ 11 دستاویزات وہ افراد فراہم کریں گے جن کے نام 1 جنوری 2003 کی ووٹر لسٹ میں شامل نہیں ہیں۔ جن لوگوں کا نام 2003 کی فہرست میں پہلے سے موجود ہے، انہیں اکثر صورتوں میں اضافی دستاویزات جمع کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، جب تک کہ ان کے خلاف کوئی تنازعہ نہ ہو۔ دستاویز پیش کرنے کی آخری تاریخ 1 ستمبر 2025 تک ہے، جبکہ حتمی مسودہ ووٹر لسٹ 30 ستمبر 2025 کو شائع کی جائے گی۔

الیکشن کمیشن نے یہ بھی اشارہ کیا ہے کہ اس طرح کی خصوصی نظر ثانی جلد ہی مغربی بنگال، کیرالہ، تمل ناڈو اور پڈوچیری میں کی جائے گی، جہاں آنے والے مہینوں میں انتخابات ہونے والے ہیں۔ الیکشن کمیشن بالکل بھاجپا کے ایک ''وِنگ'' کی طرح کام کر رہی ہے، خصوصی طور پر ان ریاستوں پر توجہ مرکوز کر رہا ہے، جن پر اپوزیشن پارٹیوں کی حکومت ہے۔ پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان ریاستوں میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب نسبتاً زیادہ ہے۔

بی جے پی حکومت نے پہلے نیشنل پاپولیشن رجسٹر (این، آر، سی) کا آغاز کیا تھا، جو مسلمانوں اور لاکھوں لوگوں کو پریشان کرنے کے لیے انہیں ''ڈی'' کیٹیگری میں ڈالا گیا، جس کا مطلب ہے کہ ان کی شہریت مشکوک تھی۔ یہ تجربہ جرمنی کی نازی حکومت کی یاد دلاتا ہے، جب ۱۹۳۰ء کی دہائی میں آبادی کے بڑے حصے کو شہریت سے محروم کرنے کی کوششیں کی گئیں۔

بہت سے اپوزیشن سیاسی پارٹیوں نے اتنے مختصر نوٹس پر الیکشن کمیشن کے مجوزہ اقدام پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ یہ عمل سماج کے ان طبقات کو حق رائے دہی سے محروم کر سکتا ہے جو حکمران ہندوتوا طاقتوں کے خلاف ہیں، جیسے اقلیتیں، دلت، قبائلی، دیگر پسماندہ طبقات اور نوجوان جو بے روزگاری اور معاشی بدحالی سے ناراض ہیں۔ بی جے پی اور اس کے اتحادی بہار میں دوبارہ اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں اور بنگال جیسی ریاستوں سے اپوزیشن کو ہٹانا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے وہ ناراض طبقوں کو ووٹر لسٹوں سے جان بوجھ کر ہٹانے جیسا کوئی بھی حربہ اختیار کرنے کو تیار ہیں۔ الیکشن کمیشن ایک عرصے سے ڈھکے چھپے انداز میں بی جے پی کی حمایت کرتا رہا ہے، مگر اب آہستہ آہستہ اس نے اپنے چہرے سے نقاب اتار پھینکا ہے اور اس کا مکروہ چہرہ بھی سامنے آ گیا ہے۔

یہ صورت حال انتہائی تشویش ناک اور خطرناک ہے کیونکہ اس سے نہ صرف انتخابی عمل کی شفافیت بلکہ خود الیکشن کمیشن کا ہی کوئی مطلب نہیں رہ جاتا۔ مہاراشٹر اجیسی ریاستوں میں انتخابی عمل میں بڑے پیمانے پر بدعنوانی کے نہ صرف الزامات لگے بلکہ اس کے ٹھوس شواہد موجود ہیں، مگر اس کے خلاف الیکشن کمیشن نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔ حکمران پارٹی نے الیکشن کمیشن کو اپنے سیاسی مفادات کے مطابق کام کرنے پر مجبور و بے بس بنا رکھا ہو تو کوئی تعجب خیز بات نہیں۔ جب سپریم کورٹ کے جج اور فوج و پولیس کے اعلیٰ عہدوں پر فائز حکومت کے اشارۂ ابرو پر رقص کرنے پر مجبور ہوں تو پھر اس سے بڑھ کر اور کیا ہے۔

الیکشن کمیشن کے حوالے یہ باتیں میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ دیگر پارٹیوں کے لیڈران کے ساتھ ساتھ

لوک سبھا میں اپوزیشن لیڈر نے بھی عوامی سطح پر اس طرح کے الزامات لگائے ہیں، لیکن ''الیکشن کمیشن'' کی طرف سے عوام کا اعتماد بحال کرنے کے لیے کوئی ٹھوس یا قابل اعتبار کارروائی تو کیا بیان دینے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

بہر حال! بہار میں ووٹر لسٹ سے آناً فاناً ۷۰ لاکھ سے زائد لوگوں کو باہر کر دیا گیا ہے، ایسی صورت حال میں ان کی شہریت ختم کرنے میں حکومت کو کتنی دیر لگے گی؟۔ پھر جو کام آسام کے بعد بہار میں شروع ہوا ہے اسے پورے ملک میں پھیلنے سے کون روک سکتا ہے؟۔ یہ بھی سمجھنے کی چیز ہے کہ ان لاکھوں لوگوں میں اکثریت مسلمانوں کے سوا کس کی ہو سکتی ہے!!۔ اس کام کے بعد اگلا نشانہ ان کا کیا ہوگا، نہیں سمجھ میں آتا تو آسام کا جائزہ لیجیے۔ ابھی حالیہ ایک خبر کے مطابق: جمعیۃ علما ہند کا ایک وفد جب آسام گیا تو ان کے سامنے بلڈوز رمتاثرین چیخ چیخ کر اس طرح رونے لگے کہ آسمان وزمین کی ہر شئی پر سناٹا چھا گیا۔ یہ غریب اور سیلاب سے متاثرہ انسان، ان کی عورتیں اور بچے کبھی اِدھر گھر بناتے ہیں اور کبھی اُدھر، انھوں نے اپنا آشیانہ بنایا تھا، مگر ظالم وجابر اور انسانیت کے ماتھے پر داغ بنی آسام کی بی جے پی حکومت نے ان کا گھر چھین لیا، جب گھر گر گئے تو پناہ لینے کے لیے جو خیمے بنے تھے، اسے بھی اجاڑ دیا، جب بچوں نے مزاحمت کی تو ان پر گولی چلا دی گئی، جب کھانا مانگا گیا تو کھانا دینے والوں کو روک دیا گیا، پانی کے پمپ اکھاڑ دیئے گئے، سایہ کو پناہ بنایا گیا تو درخت کاٹ دیے گئے یہ کسی اسرائیل یا فلسطین میں نہیں بلکہ ہندستان میں ہو رہا ہے، اس ہندوستان میں جسے گاندھی کا ہندوستان کہا جاتا ہے۔ مگر اب یہ ''گاندھی'' کا نہیں، ''ساورکر'' کا ہندوستان بن چکا ہے۔

سب سے زیادہ خطرناک اور اندر سے سہما دینے والی بات تو یہ ہے کہ ہمارے وجود پر اتنے سیاسی خطرات بڑھتے جا رہے ہیں، پورا حکومتی سسٹم ہمیں گھیرنے میں لگا ہے، ہمارے آشیانوں پر بلڈوزر چلائے جا رہے ہیں، ہمارے نوجوانوں کو جیل کی سلاخوں میں ڈال کر چھوڑ دیا جا رہا ہے، وقف کا کالا قانون بنا کر ہمارے پُرکھوں کی جائیداد کو ہڑپنے کی تیاری ہے، ہماری شہریت تک ختم کی جا رہی ہے مگر ہم سخت بے حسی کے شکار اور خواب خرگوش میں مست ہیں۔ مسلکی ومشربی بھوت ہمارے اوپر سے اترنے کا نام نہیں لیتا، فروعی مسائل کو بنیاد دین بنا کر آپس میں دست وگریباں ہیں، نہ خود کچھ کرتے ہیں اور نہ ہی کچھ کرنے والوں کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں۔ مختلف مسالک اور مکتبۂ فکر کے ذمہ داران انشراح صدر کے ساتھ یکجا ہونے کے لیے بھی تیار نہیں، ہمارا سرمایہ دار اور دانشور طبقہ بھی اپنی اپنی دنیا میں مست ہے۔ کچھ مسلم تنظیم اور قیادت ''جائز جمہوری اقدامات'' بھی بس برائے نام کر رہی ہے۔

الیکشن کمیشن سپریم کورٹ میں یہ حلف نامہ تک داخل کر چکا ہے کہ آدھار کارڈ، ووٹر آئی ڈی اور راشن کارڈ قابل اعتماد دستاویز میں سے نہیں ہیں۔ سوچیں! پھر کیا عالم ہونے والا ہے۔ باوجود اس کے اگر مسلمانوں کے ذمہ دار حضرات، بڑی تنظیمیں، بااثر خانقاہیں، اور فعال ادارے میدان عمل میں نہیں اترتے اور ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظر فردا رہتے ہیں تو یہ احساس کے مرجانے کی واضح علامت ہے۔

موت کی پہلی علامت صاحب
یہی احساس کا مر جانا ہے

سید سیف الدین اصدق چشتی
ڈائرکٹر: تحریک پیغام اسلام جمشید پور

ادارہ

قرآنی اسباق

ترتیب: مولانا محمد محمود عالم مصباحی

وَ إِذْ يَرْفَعُ إِبْراهيمُ الْقَواعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ إِسْماعيلُ رَبَّنا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّميعُ الْعَليمُ

(البقرہ 127)

ترجمہ: اور جب ابراہیم اور اسمٰعیل اس گھر کی بنیادیں بلند کر رہے تھے (یہ دعا کرتے ہوئے) اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما بے شک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیتوں میں ابراہیم علیہ السلام کے تین واقعات بیان ہو چکے ہیں۔ اب چوتھا واقعہ بیان ہو رہا ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں شہر مکہ بسانے کا واقعہ بیان ہوا۔ اب بیت اللہ بنانے کا واقعہ بیان ہو رہا ہے جو اس شہر کا اصل مقصود ہے گویا پہلے درخت کا ذکر ہوا اب اس کے پھل کا۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ابراہیم علیہ السلام کی چند دعاؤں کا ذکر تھا۔ اب اسکے ذریعہ قبولیت اور ظہور اثر کا ذکر ہو رہا ہے یعنی ابراہیم علیہ السلام نے وہ گھر بنا دیا جس کی برکت سے اس شہر میں امن بھی رہے اور رزق و پھل کی بہتات بھی ہو۔

تفسیر وَ إِذْ يَرْفَعُ: یعنی اے نبی انہیں وہ واقعہ بھی یاد دلا دو جب کہ ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام تعمیر کعبہ کر رہے ہیں اس میں گزشتہ واقعہ حال سے بیان کیا جا رہا ہے۔ گویا کہ اب ایسا ہو رہا ہے، جیسے خواب دیکھنے والا بیان کرتے وقت کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ وہاں جا رہا ہوں وغیرہ۔ خیال رہے کہ رفع کے معنی اٹھالینا بھی ہیں اور بلند کرنا بھی۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں یعنی بلند کرتے تھے "ابراھیم" ابراہیم علیہ السلام اپنے ہاتھ سے، کسی دوسرے معمار اور مستری کو اس میں شامل نہ کیا تاکہ یہ ثواب صرف مجھے ہی حاصل ہو اور کعبہ بیت المقدس سے افضل رہے کیونکہ اسے سلیمان علیہ السلام جنات سے بنوائیں گے گویا اس کو نبی نے بنوایا اور اسے پیغمبر نے اپنے ہاتھ سے بنایا "القواعد من البیت" قواعد جمع ہے قاعدہ کی جس کے لفظی معنی ہیں ثابت رہنے والی چیز اسی لیے بیٹھنے والے کو قاعد اور قانون کو قاعدہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے حال پر ثابت رہتے ہیں۔ یہاں بنیادیں اور دیواریں مراد ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بنیاد پہلے ہی سے موجود تھی حضرت خلیل نے اس پر عمارت چن دی۔ اور ممکن ہے کہ قواعد سے وہ پتھر مراد ہے جن سے دیواریں چنیں "و اسماعیل" یا تو یہ ابراہیم پر معطوف ہے یعنی ابراہیم و اسماعیل دونوں چن رہے تھے۔

چونکہ حضرت اسماعیل چننے میں حقیقتاً شریک نہ تھے۔ بلکہ پتھر و گارا دے کر امداد کر رہے تھے اسی لیے کچھ فاصلے سے ان کا ذکر کیا گیا اور امداد کی وجہ سے انہیں بھی چننے والا مانا گیا "ربنا تقبل منا" یعنی دونوں عرض کرتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار! ہماری اس خدمت کو قبول فرما۔ خیال رہے کہ قبول اور تقبل میں فرق یہ ہے کہ قبول اعلیٰ چیز کے منظور کر لینے کو کہتے ہیں اور تقبل حقیر ہدیہ کو محض اپنے کرم و مہربانی سے منظور فرما لینے کو۔ مطلب یہ ہوا کہ اے مولیٰ ہماری یہ حقیر محنت تیری بارگاہ میں گو قابل قبول نہ ہو مگر مولیٰ ہماری کوتاہیوں پر نظر نہ فرما محض اپنے کرم سے قبول فرما لے۔

بہائے خویش نمی دانم بہ نیم جو نمی ارزد
وگر تو فضل فرمائی بہائم بے بہا گردد

"انک انت السمیع العلیم" اے مولیٰ تو ہی ہماری دعا سننے والا اور ہمارے نیت کا جاننے والا تمام سننا اور سب کی جاننا خدا ہی کی صفت ہے اسی لیے حصر کے طریقے پر فرمایا گیا۔

خلاصہ تفسیر: اے نبی علیہ السلام انہیں یہ واقعہ بھی سنا دو کہ جب ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کعبہ کی دیوار تعمیر فرما رہے تھے اس طرح کے ابراہیم علیہ السلام تو بنفس نفیس چن رہے تھے اور حضرت اسماعیل گارا اور پتھر دے رہے تھے اور نہایت ہی عجز و انکسار سے یہ دعا کر رہے تھے کہ الٰہی ہماری اس حقیر کوشش کو قبول فرما۔ ہم جو کچھ زبان سے دعا کرتے ہیں تو خوب سنتا ہے اور ہمارے دل کی حالت سے تو خوب واقف ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ بنیاد کعبہ پہلے ہی سے موجود تھی (روح البیان اور عزیزی میں ہے) کہ زمین سے پہلے پانی ہی پانی تھا۔ قدرتی طور پر دو ہزار سال پہلے کعبہ کی جگہ اس پر سفید جھاگ پیدا ہوا۔ کچھ روز میں اسی کو پھیلا کر زمین کر دیا گیا۔ پھر جب فرشتوں کو رب نے آدم علیہ السلام کی پیدائش کی خبر دی تو انہوں نے اپنا خلافت کا استحقاق پیش کیا اور آدم علیہ السلام کی پیدائش کی حکمت پوچھی۔ مگر اس جرأت کی معذرت میں توبہ کی نیت سے سات برس عرش اعظم کا طواف کیا۔ حکم الٰہی ہوا کہ زمین میں بھی اسی جھاگ کی جگہ نشان لگا دو جہاں میرے بندے خطا کر کے اس کے طواف سے مجھے راضی کیا کریں۔ پھر آدم علیہ السلام کا خمیر اسی کعبہ کی جگہ ہوا اور چالیس سال تک ان کا جسم پاک یہاں ہی رہ کر خشک ہوا اور اب یہاں سے ہی جنت میں گئے اور جنت سے ہندوستان میں اترے اور آپ نے پاپیادہ چالیس حج کیے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: بیت اللہ قبول دعا کی جگہ ہے اسی لیے حضرت خلیل نے اس جگہ عمل کی قبولیت اور اگلی دعائیں مانگیں۔

دوسرا فائدہ: عمل خواہ کتنا ہی نیک ہو اور کیسے ہی اخلاص سے ہو اس کی قبولیت کی دعا کرنی چاہیے اس سے ہرگز غفلت نہ کی جائے۔ تعمیر کعبہ بہت اچھا کام ہے اور رب کے حکم سے ہوا تھا مگر آپ نے پھر بھی اس کی قبولیت کی دعا کی۔

تیسرا فائدہ: بزرگوں کی مانگی ہوئی دعائیں اور ان کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ مقبول بارگاہ الٰہی ہیں اسی لیے رب تعالیٰ نے ان کی دعائیں قرآن مجید میں بیان فرمائیں تاکہ مسلمان یہ دعائیں مانگا کریں کہ ان میں الفاظ کی تاثیر کے ساتھ ان زبانوں کی بھی تاثیر ہے۔

چوتھا فائدہ: نیک عمل کرتے وقت اور کر چکنے کے بعد اس کے توسل سے دعا کرنا افضل ہے۔ دیکھو ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بناتے وقت دعا مانگی اس لیے نماز کی حالت میں اور اس کے بعد دعائیں کی جاتی ہیں۔

پانچواں فائدہ: قبولیت عمل رب کی بڑی نعمت ہے کہ انبیاء کرام نے اس کی دعائے مانگی ہیں آج حکومت جو کتاب منظور کرے اسے یونیورسیٹی کے نصاب میں جگہ دی جاتی ہے جسے پڑھ کر لوگ سند پاتے ہیں اور پاس ہوتے ہیں۔ جسے رب قبول کرے وہ عمل تا قیامت لوگوں کی نجات کا مدار بن جاتا ہے صحابہ کرام قبولیت دعا کے لیے حضور کو ذریعہ خیرات تصور کرتے تھے۔ اب ہم لوگ حضور اور حضور کی آل پاک کے طفیل دعائیں کرتے ہیں ؎

الٰہی بحق نبی فاطمہ
کہ برقول ایمان کنم خاتمہ

تفسیر صوفیانہ: قلبی اور روحانی بنیادیں ہر انسان میں فطرتاً موجود ہے۔ یہ قلب بیت اللہ ہے اس کو بنانے والا شیخ طریقت اور تعمیر میں مدد دینے والا عالم شریعت ہے تو شریعت کے پتھر شیخ کے حوالے کرتا ہے جس کو شیخ طریقت چونے سے جوڑ کر اس پر تصوف کی عمارت قائم کرتے ہیں۔ جس پر تجلی ربانی پڑتی ہے اور یہی قلب نفس اور سارے اعضاء کا قبلہ اور سجدہ گاہ قرار پاتا ہے۔ یہ حضرات اس محنت کے وقت رب سے دعاء قبولیت کرتے ہیں کہ مولیٰ تیرے بندوں کو تیری بارگاہ تک لانا ہمارا کام تھا اور انہیں قبول فرمانا تیرا کام۔ جیسے کہ بغیر معمار ظاہری گھر کی تعمیر نہیں ہو سکتی، ویسے ہی بغیر شیخ اور عالم دین، روحانی گھر بننا ناممکن ہے۔

☆☆☆

درس رسول
ادارہ

نفاق کے اقسام اور اس کی سنگینی

خواجہ اکرام مصباحی

عن عبد الله بن عمرو رضی الله عنهما عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: اربع من کن فیه کان منافقا، أو کانت فیه خصلة من أربعة، کانت فیه خصلة من النفاق حتی یدعها، إذا حدث کذب، وإذا وعد أخلف، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر. (بخاری شریف، باب: اذا خاصم فجر، حدیث نمبر: ۲۴۵۹)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چار خصلتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں بھی ہوں گی، وہ منافق ہوگا۔ یا ان چار میں سے اگر ایک خصلت بھی اس میں ہے، تو اس میں نفاق کی خصلت ہے۔ یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے۔ وہ چار خصلتیں یہ ہیں۔ جب بولے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے، جب معاہدہ کرے تو عہد شکنی کرے، اور جب جھگڑے تو حد سے تجاوز کرے یعنی بدزبانی کرے، گالی دے، جھوٹے الزام لگائے وغیرہ۔

اسلام صرف عبادات کا مجموعہ نہیں، بلکہ مکمل طرز زندگی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف توحید و رسالت کی دعوت دی بلکہ اخلاق، معاملات، سچائی، وعدہ وفا، دیانت داری اور عدل و انصاف کی تعلیمات بھی پیش فرمائیں۔ ایک طرف اسلام ایمان و صداقت کا علمبردار ہے، تو دوسری طرف نفاق یعنی منافقت ایک ایسا مرض ہے، جو انسان کے ظاہر کو مومن اور باطن کو دشمن اسلام بنا دیتا ہے۔ یہ حدیث نفاق عملی کی خطرناک علامت کو بیان کرتی ہے، ان صفات کا مطلب یہ نہیں کہ انسان ایمان سے باہر ہو جاتا ہے، مگر یہ عادات نفاق اعتقادی کے قریب لے جاتی ہیں۔

نفاق کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری طور پر اسلام کا دعوی کرنا، لیکن دل میں کفر، بغض یا دشمنی رکھنا، یعنی زبان سے کہنا کہ ''میں مسلمان ہوں''، لیکن دل سے اسلام کو نہ ماننا

نفاق کی دو قسمیں ہیں: (1) نفاق اعتقادی (2) نفاق عملی

(۱) نفاق اعتقادی: دل میں کفر، دشمنی اور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تکذیب ہو، مگر ظاہری طور پر اسلام ظاہر کرے۔ یہ شخص مسلمان نہیں بلکہ کافر ہے اور جہنم کے نچلے درجے میں ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالی قران مقدس میں ارشاد فرماتا ہے: ''ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار'' بے شک منافقین جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔

(۲) نفاق عملی: جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی، خیانت، جھگڑے میں حد سے بڑھنا جیسے اعمال، یہ گناہ کبیرہ ہیں مگر ان سے انسان دائرہ اسلام سے باہر نہیں نکلتا، یہ نفاق کی علامات ہیں، جن سے ایمان کمزور ہوتا ہے۔

مذکورہ حدیث میں چار ایسی خصلتیں بیان کی گئی ہیں، جو منافق کے کردار کی نشاندہی کرتی ہے۔

ارشاد ہوا: ''إذا حدث کذب'' جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ جھوٹ ایمان کے منافی ہے اور سچائی مومن کی پہچان ہے۔ اللہ تبارک وتعالی قرآن مقدس میں ارشاد فرماتا ہے: ''انما یفتری الکذب الذین لایؤمنون'' (النحل: ۱۰۵) جھوٹ تو وہی لوگ گڑھتے ہیں جو مومن نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے جھوٹ کو گناہ کبیرہ قرار دیا۔ جھوٹ سے معاشرے میں اعتماد ختم ہوتا ہے اور یہ منافقانہ رویے کی علامت ہے، کیونکہ منافق اپنی باتوں سے لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''علیکم بالصدق فان الصدق یهدی الی البر و ان البر یهدی الی الجنة'' تم پر سچ بولنا لازم ہے، کیونکہ سچ نیکی کی طرف لے

جاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ اور آگے ارشاد فرمایا: ''و أن الكذب يهدى الى الفجور و ان الفجور يهدى الى النار''۔ اور جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم کی طرف۔ یہ حدیث اس بات کی تائید کرتی ہے کہ جھوٹ انسان کو ہدایت سے دور کر کے گمراہی اور جہنم میں لے جاتا ہے۔ اور اسی سے متعلق اللہ تبارک و تعالی نے قرآن مقدس میں ارشاد فرمایا: ''ان الله لا يهدى من هو كاذب كفار'' بے شک اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور بڑا ناشکر گزار (الزمر: ۳)

امام نوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں جھوٹ سے مراد وہ جھوٹ ہے جو دوسروں کو نقصان پہنچانے یا دھوکہ دینے کے لیے بولا جائے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ دروغ اس وجہ سے حرام کیا گیا ہے کہ یہ دل پر اثر کرتا ہے اور دل کو تیرہ و تاریک بنا دیتا ہے، البتہ جہاں کہیں یہ مصلحت کی بنیاد پر بولا جائے اور بولنے والا اس سے بیزار ہو، تو روا ہے۔ کیونکہ جب اس سے کراہت کی جائے گی، تو دل اس سے تاریک نہیں ہوگا اور جب کسی بھلائی کے خیال سے جھوٹ بولے گا تو دل تاریک نہیں ہوگا۔ اگر کوئی مسلمان کسی ظالم سے بھاگا ہے تو مناسب نہیں ہے کہ اس کا صحیح پتہ بتایا جائے، بلکہ اس مقام پر جھوٹ کہنا صحیح ہوگا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے تین موقعوں پر جھوٹ بولنے کی اجازت دی ہے۔ ایک جنگ میں آدمی اپنا ارادہ دشمن پر ظاہر نہ کرے، دوسرے جب دو شخصوں میں صلح کرانا مقصود ہو، تو ہر ایک کی طرف سے اچھی بات بیان کرے اگر چہ حقیقت میں نہ کہی گئی ہو، تیسرا مقام یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی دو بیویاں ہیں تو اگر ہر ایک سے وہ یہ کہے کہ میں تجھ سے بہت محبت کرتا ہوں۔ اگر کوئی ظالم کسی کے مال کا سراغ دریافت کرے تو اس کو چھپانا اور مخفی رکھنا درست ہے، اور اگر کوئی شخص کسی کا راز معلوم کرنا چاہے تو بھی سچ نہ بولے۔ اسی طرح کسی کی معصیت اور گناہ کو ظاہر کرنے سے انکار کرے تو یہ بھی درست ہے، کیونکہ شرع کا حکم ہے کہ لوگوں کے عیب چھپاؤ، جب کوئی بیوی وعدہ کیے بغیر اطاعت نہیں کرتی، تو مرد اس سے وعدہ کرے، خواہ اس کے وفا کی اس میں قدرت ہو یا نہ ہو، بس ایسی صورتوں میں دروغ گوئی روا ہے۔

إذا وعد أخلف۔ جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔ وعدہ خلافی منافق کی دوسری علامت ہے۔ وعدہ پورا کرنا مومن کی شان ہے۔ وعدہ کرنا اور پھر اسے توڑنا دوسروں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانا ہے اور یہ غیر ذمہ دارانہ رویہ ہے ایمان والا شخص اپنے وعدوں کا پابند ہوتا ہے اللہ تبارک وتعالی قران مقدس میں ارشاد فرماتا ہے: ''يا ايها الذين آمنوا أوفو بالعقود'' اے ایمان والو! عہد و پیمان پورا کرو (المائدۃ: ۱)

اگر کسی مجبوری یا شرعی عذر کی وجہ سے وعدہ نہ نبھایا جا سکے جیسے بیماری، حادثہ، فوتگی وغیرہ، تو معذرت اور وضاحت کے ساتھ معاف کرایا جا سکتا ہے، مگر دھوکہ یا بد نیتی کی بنیاد پر وعدہ توڑنا سنگین گناہ ہے۔

إذا عاهد غدر۔ جب معاہدہ کرے تو بے وفائی کرے۔ معاہدہ کی پاسداری نہ کرنا منافقت کی تیسری علامت ہے۔ معاہدہ خواہ دینی ہو، سماجی ہو، یا کاروباری ہو، اس کی پابندی ضروری ہے بے وفائی سے معاشرے میں بد اعتمادی پھیلتی ہے۔ عہد توڑنا خیانت ہے اور خیانت مومن کی صفت نہیں ہو سکتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالی مومن کی صفت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: ''و الذين هم لأماناتهم و عهدهم راعون'' اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرتے ہیں۔ (المومنون: ۸)

وعدہ خلافی یا عہد شکنی کرنا ایک مسلمان کی شان نہیں بلکہ منافقوں کا کام ہے، خواہ وہ عہد و پیمان کفار ہی سے کیوں نہ کیا گیا ہو، جو وعدہ اغیار سے سیاسی سطح پر کیا گیا ہو، اس کی حیثیت اور بڑھ جاتی ہے، اسے پورا کرنا مسلمان کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ کیوں کہ ایسی صورت میں اسلام اور مسلمان دونوں کی شبیہ خراب ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے کفار قریش کے ساتھ کیے گئے عہد و پیمان کو پوری

طرح نبھایا، خواہ اپنے بندوں کو ان کے حوالے کرنا پڑا۔ حالانکہ صلح حدیبیہ میں کفار قریش کے کئی شرائط سراسر نہ معقول تھے اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے انہیں پورا کیا۔ وعدہ خلافی کرنے والوں کے متعلق اللہ تبارک و تعالی قرآن میں ارشاد فرماتا ہے: ''ان الذین یشترون بعھد اللہ و ایمانھم ثمنا قلیلا اولئک لا خلاق لھم في الاخرہ'' جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑے داموں بیچ دیتے ہیں، ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ یعنی دنیاوی مفاد کے لیے عہد شکنی کرنے والے آخرت میں نقصان اٹھائیں گے۔ اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لا ایمان لمن لا امانۃ لہ و لا دین لمن لا عھد لہ'' اس شخص کا کوئی ایمان نہیں جس میں امانت داری نہ ہو اور اس شخص کا کوئی دین نہیں جس کا کوئی عہد نہ ہو، یعنی عہد شکنی دین سے بے وفائی ہے۔

إذا خاصم فجر۔ جب جھگڑے تو بد زبانی کرے۔ جھگڑے کے دوران بدزبانی، گالم گلوچ، یا غیر اخلاقی رویہ اختیار کرنا منافقت کی چوتھی علامت ہے مومن جھگڑے میں بھی شائستگی اور اخلاق کا دامن نہیں چھوڑتا۔ جھگڑے میں حد سے بڑھ جانے والوں کے بارے میں اللہ تبارک وتعالی نے قران مقدس میں ارشاد فرمایا: ''ولا تکن للخائنین خصیما'' (النساء:۱۰۵)۔ اور جھگڑے میں نا انصافی کرنے والوں کے بارے میں اللہ تبارک وتعالی نے یوں ارشاد فرمایا: ولا یجرمنکم شنان قوم الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی۔ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ انصاف نہ کرو، انصاف کرو یہی تقوی سے زیادہ قریب ہے۔ اور بدکلامی وفاشی پھیلانے والے لوگوں کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ في الذین امنوا لھم عذاب الیم'' بے شک وہ لوگ جو چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیلے ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے: ''سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر'' کسی مسلمان کو گالی دینا فسق (گناہ) ہے اور اس سے لڑنا کفر یعنی سخت نافرمانی۔

اس پوری تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر کوئی شخص ان چار خصلتوں کا حامل ہو تو وہ مکمل منافق ہے، یعنی اس کا کردار منافقت پر مبنی ہے، لیکن اگر اس میں ایک خصلت بھی موجود ہو، تو وہ اس حد تک منافقت کی طرف مائل ہے جب تک کہ وہ اسے ترک نہ کردے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خصلتیں گناہ ہیں اور ان سے بچنا ضروری ہے تاکہ ایمان مکمل ہو۔

دور حاضر میں اس حدیث کا اطلاق:

سوشل میڈیا اور روزمرہ زندگی میں جھوٹ عام ہو چکا ہے، ہر مومن کو اپنی باتوں میں سچائی کو یقینی بنانا چاہیے۔ ملازمت، کاروبار یا ذاتی تعلقات میں وعدوں کی پاسداری ضروری ہے تاکہ اعتماد قائم رہے۔ معاہدات کی پابندی نہ صرف دینی بلکہ قانونی اور سماجی طور پر بھی ضروری ہے۔ سوشل میڈیا پر بحث و مباحثے کے دوران بد زبانی اور توہین آمیز رویہ عام ہے، جو اس حدیث کی روشنی میں منافقت کی علامت ہے۔

ہمیں اپنی حالات کا جائزہ لینا چاہیے کہ کیا ہم سچے ہیں یا جھوٹ بولتے ہیں، کیا ہم وعدہ نبھاتے ہیں یا ٹال مٹول کرتے ہیں، کیا ہم معاہدوں میں دیانتداری سے پیش آتے ہیں، کیا ہم جھگڑے میں اخلاق اور انصاف کا دامن تھامے رکھتے ہیں یا اسے چھوڑ دیتے ہیں، اگر ہم ان خصلتوں میں سے کسی ایک میں بھی مبتلا ہیں، تو ہم نفاق کی طرف بڑھ رہے ہیں لہذا ہمیں فورا چاہیے کہ اس سے توبہ کریں اور اپنے کردار کو درست کریں، اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق اپنی زندگی کو گزاریں۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث ہمیں منافقت کی ان چار خصلتوں سے بچنے کی تلقین کرتی ہے جو ہمارے ایمان کو نقصان پہنچاتی ہے، یہ ہر مومن کے لیے ایک تنبیہ ہے کہ وہ اپنی زبان، وعدوں، معاہدات اور بحث و مباحثے کے دوران اخلاقیات کا مکمل خیال رکھے۔

☆☆☆

اسلاف کے قلم سے
مستقل کالم

حق تعالیٰ کے اسرار چھپانے اور خلق کی سرگرانی میں

سلطان المحققین حضرت سیدنا شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
مترجم۔حضرت حکیم سید شاہ قسیم الدین احمد شرفی فردوسی رحمۃ اللہ علیہ

برادر عزیز کا بھیجا ہوا مصلا پہنچا قبول ہوا اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

اور وہ جو عالم دیوانگی کی کچھ باتیں لکھی تھیں اسے پڑھا اور اس شعر پر محمول کیا۔

ہر چہ از دیوانہ آید در وجود
عفو فرمایند از دیوانہ زود

دیوانہ سے جو باتیں صادر ہو جاتی ہیں وہ اس کی دیوانگی کی بنا پر اسی وقت معاف ہو جاتی ہیں)

اے بھائی! یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ ظاہری طور پر مکتوب الیہ کوئی شخص معین ہو لیکن باطن میں کوئی دوسرا خوش قسمت مراد ہو کیونکہ تقدیر ایسے حیرت انگیز کرشمے بہت زیادہ رکھتی ہے۔

ایک کو کاتب مکتوب بناتی ہے اور کسی ایک کو مکتوب الیہ اور حال یہ ہے کہ نہ کاتب کو اس کام کی حقیقت سے آگاہی ہے اور نہ مکتوب الیہ میں اس کام کے اسرار و رموز کا کچھ اثر و نشاں ہے۔

گر ترا دانش و گر نادانی ست
آخر کار تو سر گردانی ست

(خواہ تمہیں علم و دانش ہو خواہ جہالت و نادانی ہو، آخر میں حیرانی ہی حیرانی ہے)

کیا یہ نہیں دیکھتے کہا جاتا ہے قلم لکھتا ہے، ہاتھ لکھتا ہے حال یہ ہے کہ کتابت کے مقصود کا پتہ نہ ہاتھ کو ہے نہ قلم کو اور نہ کاغذ کو کہا جاتا ہے کہ کاغذ میں لکھا ہوا ہے اور کاغذ غریب کو اس مضمون کے اسرار سے مطلق خبر نہیں۔کوئی پکاتا ہے کوئی کھاتا ہے ایک شخص کپڑے بنتا ہے دوسرا پہنتا ہے ایک کے ساتھ اس کام کی نسبت کر دیتے ہیں اور دوسرے کا نصیب بتا دیتے ہیں واللہ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَى بعض في الرزق (اللہ نے رزق میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے) اس میں کسی کو کیا دخل ہے۔اے بھائی! تقدیر کے کاموں کے اسرار سے جبرئیل و میکائیل کو خبر نہیں۔ہم اور تم کون ہوتے ہیں؟ واللہ یدعوا الی دار السلام اللہ کی جانب سے سلامتی کے گھر کی طرف آنے کی دعوت عام کے لئے ہے اور ہدایت خاص کے لئے ہے۔یھدی من یشاء وہ جس کو چاہے ہدایت دے۔اسی کو کہا ہے۔

ہیچ کس از سر کار آگاہ نیست
زاں کہ آنجا ہیچ کس را راہ نیست

(کوئی شخص تقدیر کے راز سے آگاہ نہیں کیونکہ قدرت خداوندی تک کسی کی پہنچ نہیں ہے)

اے بھائی! خَلَقَ اللہُ لِلْحَرْبِ رِجَالاً وَالْقَصْعَةِ وَالثَّرِيدِ رِجَالا (اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو میدان جنگ کے لئے پیدا کیا ہے اور کچھ کو پیالہ اور ثرید کے لئے) ایک کی ہمت وہ ہے کہ روزانہ طلب کا کمند عرش کے کنگرہ پر ڈالتا ہے اور ایک دوسرے کی ہمت کا یہ حال کہ دو روٹی پالیا پیٹ آسودہ ہو گیا گویا دونوں جہاں کی ملکیت مل گئی تو اس کے لئے کیا تدبیر ہے

قسمت تو ازل ہی میں بن چکی ہے۔اس کو کہا ہے۔

نیست کس را از حقیقت آگہی
جملہ می میرند با دست تہی

(کسی کو حقیقت سے آگاہی نہیں سب کے سب یہاں ناواقف اور خالی ہاتھ ہی جاتے ہیں۔)

جس طرح ظاہر جسم کی روزی رزق اللہ کو معلوم ہے اور وہ تقسیم ہو چکی ہے اسی طرح دل اور جان کی رزق بھی معلوم ہے اور تقسیم ہو چکی ہے و المعلومُ لا یَتَغیَّرُ وَالْمَقْسُومُ لَا یَزِیدُ وَ لَا یَنقُصُ (جو معلوم ہے یعنی اللہ کے علم میں ہے اس میں کوئی ردو بدل نہیں ہوتا اور جو مقسوم ہے یعنی مل چکی ہے اس میں کمی وبیشی نہیں ہے)

یہاں پر قلم کو توڑ دینا چاہیے، لب بند کر لینا چاہیے اور یہی کہنا ہے یَفْعَلُ اللہ مَایشاء و یحلم مایرید (اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جس کا ارادہ کرتا ہے اس کا حکم دیتا ہے) خوب کہا ہے جس غریب نے یہ کہا ہے۔

کر از ہرہ آنکہ از بیم تو
کشاید زبان جز بہ تسلیم تو

(آپ کے خوف کے آگے کس کا یہ کلیجہ ہے کہ سوائے تسلیم خم کرنے کے زبان کھول سکے)

اور میرے ان مکتوبات کے معانی اور مفہوم جو آن برادر کے علم وفہم میں آچکے ہیں وہ آپ کا حال اور ذوق ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ اور امید ہے کہ اس فقیر کو بھی اس کے طفیل حصہ ملے گا ان شاء اللہ کہ الْغَرِیقُ یَتَعَلَّقُ بِکُلِّ حَشِیش (ڈوبنے والا ہر تنکے کا سہارا لیتا ہے)

اس فقیر کو بس لکھنے لکھانے سے اور کچھ زیادہ نہیں دیا گیا ہے۔بس اتنا ہی ہے کہ اس خوان پر نعمت پر لا کر لوگوں کو بٹھائے، بیچارہ نانبائی ہاتھ پاؤں جلاتا ہے اور کھانا دوسرے لوگ کھاتے ہیں۔ والسلام

صفحہ نمبر ۴۹ کا بقیہ

خوف میں آپ ہیں وہ نہیں، وہ نہ ڈر رہا ہے اور نہ اسے کوئی ڈرا سکتا ہے۔البتہ یہ حلقے ڈر اور خوف کی پوری فصل اگا رہے ہیں کچھ تو اسے کاٹ بھی رہے ہیں۔مومن اور ڈر کا کوئی ساتھ ہی نہیں۔ہم من حیث القوم ایمان میں ہر مسئلے کا حل رکھتے ہیں۔میں کوئی ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کی تلقین نہیں کر رہا ہوں مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے کس دور سے حالات کی مطابقت ہے، فیصلے اس بنیاد پر ہونے چاہئیں اور جب ایسا ہوگا تو پھر خوف کی جگہ حکمت عملی جگہ پائے گی۔

وطن عزیز میں آئین ہے، ادارے ہیں، عزت نفس کی زمین ہے، قانون کی حکمرانی اور بالادستی ہے، آزاد عدلیہ ہے، اکثریت کی سوچ جمہوری اور سیکولر ہے، آج بھی آپ کی لڑائی اکثریت ہی لڑتی ہے، سرکاری اسکیمیں سب تک پہنچتی ہیں، تعصب اور تفرقے کی شکلیں الگ ہیں مگر ان سب کا کہیں نہ کہیں سب کو سامنا ہے، کوئی مسلمان تنہا ٹارگٹ ہے ایسا نہیں، کوئی ایک وحدت یا اکائی پوری طرح ہر معاملے میں ایک ہو ایسا کبھی ہوتا ہے تو کبھی نہیں بھی ہوتا ہے۔بنیادی بات یہ ہے کہ فکر وعمل قول وفعل کی نہج ہمیشہ مثبت رہے۔اللہ پر بھروسہ رہے ایمان وآئین کی بالادستی ہمارا محور ہے اور ہم بھڑکنے والی کیفیت سے دور رہیں۔

مسلمانان ہند نہایت دانشمندی، پامردی، حکمت و مصلحت سے مفاہمت کو زمین دیتے ہوئے آج جس طرح کے اخلاق کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔میں اس پر آپ کو داد وتحسین کے ساتھ سلام تحسین پیش کرتا ہوں۔آپ اور آپ کے اخلاق واخلاقی رویوں میں آج بھی بہت کچھ معیاری اور تقلیدی ہے۔حوصلہ بلند رکھیے۔جو ہے اس پر شکر کیجئے، جو درکار ہے اس کی جدوجہد سے پیچھے نہ ہٹیے اور برادران وطن سے رشتوں میں گرماہٹ کو ترجیح دیجیے۔

☆☆☆

تصوف

مکتوبات اصدقی کا مکتوب ۲۲

سند السالکین حضور قطب عالم خواجہ شاہ **قیام اصدق الصادقی** الفخری رضی اللہ عنہ

ترجمہ: سید رکن الدین اصدق چشتی

بنام: حضرت منشی عظمت اللہ اصدقی رحمۃ اللہ علیہ

پس آں چہ——— جو کچھ چاہے چاہے، جو کچھ ہونا ہوگا ہوئے، جو کچھ مصیبت آتی ہے آئے، جو کچھ نقصان دکھاتا ہے دکھائے، جو کچھ لے جاتا ہے لے جائے، جو کچھ دروازہ کھولتا ہے کھولے ؎

منشیں ترش تو از گردش ایام کہ صبر
گرچہ تلخ است ولیکن بر شیریں دارد

زمانے کی پریشانی سے تو رنجیدہ مت بیٹھ کیوں کہ صبر اگرچہ کڑوا ہے، لیکن وہ پھل میٹھا رکھتا ہے۔

درد و دکھ مردوں کے لیے ہے اور مرد لوگ درد و مصیبت برداشت کرنے کے لیے۔ اگر مصیبت نہ ہوتی تو اکثر لوگ خدا کو بھول جاتے۔ چند روز تک "یَا قَاضِیَ الْحَاجَاتِ وَ کَافِیَ الْمُهِمَّاتِ" کی آواز لگانی چاہیے، تاکہ بندھے ہوئے کام کی گرہ کھل جائے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے لیے پیدا کیا ہے۔ اور اس کے لیے قسم قسم کی نعمتوں کا دسترخوان بچھایا ہے روزی اگر تھوڑی کم کر دے تو انسان کو چاہیے کہ خود کو اس کی فکر میں گم نہ کر دے۔ کیوں کہ بہت ایسا ہوتا ہے کہ آزمائش کے لیے کچھ مصیبت آتی ہے اور اس کے پیچھے ایک خزانہ چھپا ہوتا ہے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں ؎

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است
زیر آں گنج کرم بنہادہ است

جو مصیبت کہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو دیا ہے، اس کے پیچھے اپنے کرم کا خزانہ رکھ چھوڑا ہے۔

لہٰذا انسان کو چاہیے کہ کسی حال میں اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر کو ترک نہ کرے۔ تاکہ ہر صورت میں حق تعالیٰ ہی کو فاعل حقیقی دیکھتا رہے ؎

اگر عز و جاہ است و گر ذل و قید
من از حق شناسم نہ از عمرو و زید

اگر عزت اور مرتبہ حاصل ہے، اور اگر قید و بند کی ذلت، میں اسے حق تعالیٰ کی طرف سے سمجھتا ہوں، عمرو اور زید سے نہیں۔

جب سب کچھ اللہ کریم و کارساز ہی کی مشیت سے ہوتا ہے تو پھر بندے کو کیا چارا ہے ؎

پیش کہ بر آورم ز دستت فریاد
ہم پیش تو از دست تو می خواہم داد

تیرے ہاتھ سے پہنچنے والی مصیبت کی فریاد کس کے سامنے لاؤں، تیرے ہی سامنے تیرے ہاتھ سے انصاف چاہتا ہوں۔

دنیا کی زندگی کو دنیا کی فکر میں خرچ کرنا، اپنے کو خود ہی مصیبت میں رکھنا ہے۔ چناں چہ جو کچھ ہوا وہ ہونا ہی تھا اور جو کچھ ہوگا، وہ ہونا ہی ہے۔ گزرے ہوئے دنوں کا غم اور آنے والے دنوں کی فکر اہل دل کے حال کے مناسب نہیں زمانہ حال میں مشغول رہنا چاہیے، یعنی جو بھی موجود ہے اسی میں مشغول رہنا بہتر ہے۔ اور اسی معنی میں مولانا روم قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

صوفی ابن الوقت باشد اے رفیق
نیست فردا گفتن از شرط طریق

صوفی وقت کے مطابق چلتا ہے، اے دوست! کل پر ٹالنا طریقت کے اصول میں سے نہیں ہے۔

لہٰذا! دل میں غور کرنا اور ظاہری صورت میں فکر

کرنا، قلب کے اطمینان اور دل کی صفائی کا سبب ہے۔ تاکہ حق تعالیٰ کی بارگاہ سے محبت اور انسیت تمام وقت قائم رہے۔ کیوں کہ مومن کو خداوند تعالیٰ کی محبت کا غم ہمیشگی کے ذکر و فکر کے ساتھ جس حال میں بھی رہے، اسی کا آرزومند رہنا بہتر ہے۔

فکر غم تو لذت شادی بجاں دہد
ذکر لب تو طعم شکر در دہاں دہد

تمہارے غم کی فکر دلی خوشی کی لذت دیتی ہے۔ تمہارے لب پاک کا ذکر منہ میں شکر کا مزہ بخشتی ہے۔

جس وقت آرام اور تکلیف کی تمام حالتوں میں خدا کی یاد میں رہے گا، گزرے ہوئے اور آنے والے غم سے بے پرواہ ہو جائے گا، خداوند تعالیٰ اس کے تمام کاموں کا کفیل ہو جائے گا اور جس دم ایسا کفیل و کارساز ہوگا، غم کو دخل کی کیا مجال ہوگی؟ حق تعالیٰ اپنے پیغمبر علیہ السلام سے فرماتا ہے:

وَ تَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا ۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا اور سب سے ٹوٹ کر اسی کے ہو رہو، وہی پورب کا رب اور پچھم کا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو تم اسی کو اپنا کارساز بناؤ۔ (مزمل: ۸، ۹)

مطلب یہ ہے کہ اے پیغمبر! ہر طرف سے ٹوٹ کر خداوند تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ یعنی جو بھی خدا کے سوا ہے، اس سے تعلق نہ رکھو۔ اور اپنے فکر (سوچ) کی لگام مالک حقیقی کو سونپ دو۔ رب تعالیٰ کے علاوہ کی یاد سے کنارہ کش رہو اور حق تعالیٰ سے لپٹے رہو۔ پروردگار ہر موجود کے وجود کے مطلع میں جان طلوع ہونے کی جگہ بلکہ موجود کو لانے والا ہر وجود اسی کا وجود ہے۔ اور مرادوں کی کثرت میں بھی مقصود وہی ہے۔ اور پروردگار اشیا کے ارواح کے غروب کی جگہ جو کہ عالم ہاہوت ہے، جیسا کہ اشارہ اس کی ذات کی طرف ہے: ''وَ اِلَی اللّٰهِ عَقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾'' یعنی ظاہر اور پوشیدہ کسی بھی موجود کا کوئی اصلی مالک نہیں ہے مگر خداوند تعالیٰ ہی کا وجود۔

جیسے فرشتے کا ظہور اسی کا اظہار ہے اور فرشتہ کی پوشیدگی اسی کا بھید ہے اور کوئی موجود حقیقی نہیں ہے مگر وہ، جب ایسی ذات کو اپنے کاموں اور ضرورتوں کا وکیل اور کفیل تم نے بنایا، جس وقت ایسی ذات جو تمام کمالات کی جامع ہے وکیل اور کفیل ہوگی، تجھے کیا حاجت ہے کہ اپنے مشکل کاموں میں مشغول رہے ؎

بر خدا بگذاشتم ہر کار و بار خویش را
میر ساماں ساختم پروردگار خویش را

(میں نے خدا کے کارساز ہی کے اوپر اپنے تمام کاروبار کو چھوڑ دیا ہے۔ میں نے ساری ضرورتوں کا مالک اپنے پروردگار کو بنالیا ہے۔)

ما علینا الا ان نعبدہ و ما علیہ الا ان یرزقنا نہیں ہے ہم پر مگر یہ کہ اس کی بندگی کریں اور نہیں ہے خداوند تعالیٰ پر مگر یہ کہ وہ ہمیں روزی پہنچائے۔ پھر جو کچھ ہوا، ہوتا ہے اور ہوگا، سب پاک و بے نیاز رب کے ارادہ سے ہوتا ہے۔ اپنے اور دوسروں کے اچھے اور برے پر صبر کرنا چاہیے۔

''والقدر خیرہ و شرہ من اللہ تعالیٰ'' (تقدیر کی اچھائی اور برائی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔) مخلوقات کے تمام احوال، تمام افعال اور تمام اقوال میں خداوند تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات جلوہ گر ہے۔ جس شخص کو اس کی سمجھ اور دریافت زبان پر ہو وہ مسلمان ہے۔ اور جس شخص کو دل اور زبان دونوں سے حاصل ہو وہ عارف ہوگا۔ اور جو شخص اس سمجھ میں اپنے کو گم کر دے وہ ولی ہے، اگرچہ اپنی عمر میں ایک ہی روز ہو۔

لہٰذا! ضروری ہے کہ تمام حالتوں میں رب ذوالجلال کی ذات کو موجود جانے اور ہر پردہ کے پیچھے خداوند تعالیٰ کو وجود ساز دیکھے۔ بزرگان دین نے اسی طرح زندگی گزاری ہے۔ ایک گھاس کے پتے (تنکا) کو خداوند تعالیٰ کی ذات سے جدا نہیں جانا ہے اور ہر ذرہ میں خداوند تعالیٰ کے نور کو جلوہ گر دیکھتے ہیں ؎

بہر سو چشم بکشایم جمال یار می بینم
کشیدہ صورت دلبر در و دیوار می بینم

میں جس طرف بھی نظر اٹھاتا ہوں یار ہی کا جلوہ دیکھتا ہوں۔ میں معشوق کی صورت در و دیوار پر بنی ہوئی دیکھتا ہوں۔

اس طرح دیکھنے اور جاننے سے ایک ذوق اور شوق

پیدا ہوتا ہے۔ کبھی کبھی اس کا تجربہ کر چکے ہیں۔ جب ایک بار شراب معرفت کی لذت چکھ لیں گے، اس کی خواہش ہمیشہ پیدا ہوگی، یہاں تک کہ وہ جلوہ سامنے آجائے، دل کو فریفتہ کر دے، عرفان کا دروازہ کھول دے اور آنکھوں میں سما جائے ؎

ساقی بنور بادہ بر افروز جام ما
مطرب بگو کہ کار جہاں شد بکام ما
مادر پیالہ عکس رخ یار دیدہ ام
اے بے خبر ز لذت شراب مدام ما

اے ساقی! نور کی شراب سے میرے پیالے کو تو بھر دے۔ گویا! کہو کہ دنیا کا کام میرے مقصد میں پورا ہوگیا۔ میں پیالہ میں یار کے چہرے کا عکس دیکھتا ہوں۔ اے شخص! میری ہمیشگی کی شراب کی لذت سے تو بے خبر ہے۔

(اب اس کی تشریح حضرت سرکار خود ہی فرماتے ہیں۔)

ساقی، مرشد کو کہتے ہیں اور شراب، محبت کی مئے، اور جام، وجود کا پیالہ اور مطرب، انسان کا نفس ملہمہ ہے۔ لہٰذا! اس طرح فرماتے ہیں کہ اے مرشد حقیقی عشق کا نور میرے وجود میں منتقل کر دے اور مجھے الہام کی قوت دے کہ دنیا کی مراد میری مراد سے وابستہ ہو جائے۔ یعنی جب وحدت جلوہ دکھائے تمام جہان اپنا ہو جائے اور تمام مراد بھی اپنی ہو جائے اور ہم وجود کے پیالے میں چہرے کا عکس "فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ" دیکھتے ہیں تو ہمیشہ نوش کی لذت کے سبب مخلوقات کی ہر ہر نشانی دیکھنے میں مجھ کو وہی ذات واحد نظر آتی ہے اور اسی کا عشق حاصل ہوتا ہے۔ اور بے خبری کا حاصل یہ ہے کہ عرفان کی سمجھ اور ذات کی بے مثلی ہر وجود میں چاہے تا کہ دکھائی دے جو کچھ دکھائے۔

ضروری ہے کہ پاس انفاس کی پابندی کا وجود کے جمال کے خیال کے ساتھ اور اس کے آمد و رفت کی جگہ جو کہ "ھُوَ" ہے، خیال رکھیں۔ اور آنکھ کو ذات بے مثل کی رنگا رنگ نشانیوں کے دیکھنے میں اور کان کو آواز سننے میں جس کا تعلق جان سے ہے اور جان کا تعلق سبحان کی پاک ذات سے ہے۔ اور دل کو اس کی یاد کی فکر میں ایک خاص حرکت اور تصور شیخ کے ساتھ رکھے ذکر معمول کے مطابق، مشاہدہ مشغولیت کے ساتھ، اور درود مراقبہ میں رہ کر ہو۔ کیوں کہ ان ہی عملوں کے ذریعہ خداوند تعالیٰ کا عشق دل میں ٹھہراؤ پاتا ہے۔ اور ان معمولات کو ہرگز نہ چھوڑیں۔ کیوں کہ غفلت اور تاریکی کا سبب بنے گا۔ جس حال میں بھی رہو خدا کو یاد کرتے رہو۔

جیسے بھی رہنا ہے رہ مگر تھوڑا دیوانہ بن کر بھی رہ
—اگر رفیق ہوا پنے شفیق سے پختہ عہد رکھو۔

بہر حالے کہ باشی باخدا باش — ہر چہ باشی باش اما اند کے دیوانہ باش — اگر رفیق شفیقے درست پیمان باش — بھولو متی جاں سیاں کی بتیاں — کہو تو پاس ہے اور ہے کہو تو دور — دیکھو تم بچار کر اصدق بھی حضور — نہیں دور ہوں میں بہت پاس ہوں — دل و جان اور عقل انفاس ہوں ؎

محبت چناں کن کہ تو من شوم
مجھے دیکھ تیرا میں درپن شوم

محبت ایسی کرو کہ تم میں ہی ہو جاؤں۔ مجھے دیکھو میں تمھارا سایہ بن چکا ہوں۔

جس وقت میرے اور تمہارے درمیان ملاقات کا شوق پیدا ہوگا جسم کے بغیر بھی ملاقات محال نہیں۔ سمجھنے کو بہت ہے اگر سمجھنا چاہیں ؎

سر رشتہ عمر اے برادر بکف آر
و ایں عمر گرامی بخسارت مگذار
دایم ہمہ جا با ہمہ کس در ہمہ کار
می دار چشم دل نہفتہ با جانب یار
ایں افسانۂ افسوں جنوں است
ہر کہ دانست و خواند مجنوں است

اے بھائی! رشتہ عمر کا خیال مضبوطی سے رکھو اور اس قیمتی عمر کو نقصان میں مت گزارو۔ ہمیشہ، ہر جگہ، ہر شخص کے ساتھ، ہر کام میں دل کی آنکھ پوشیدہ طریقہ پر خداوند تعالیٰ کی طرف رکھو۔ یہ جادوئی قصہ ایک جنون ہے۔ جس نے بھی جانا اور پڑھا، مجنوں ہوگیا۔

جو شخص دین کے راستے میں کچھ بھی مجنوں نہیں ہے، ابھی ایمان سے حصہ اسے حاصل نہیں ہوا ہے ؎

بہر ایں فرمود احمد اے حزوں
نیست مومن تا نباشد از جنوں

اسی لیے احمد مرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے غمگینو! نہیں ہے کوئی مومن جب تک کہ جنوں سے وہ حصہ نہ پائے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : لا یومن احدکم حتی لا یظن الناس انہ مجنون ایمان نہ ہوگا تم میں سے کسی کا بھی جب تک لوگوں کا گمان اس کے حق میں مجنون کا نہ ہو جائے۔ یعنی حق تعالیٰ میں ایسا مشغول ہو کہ اسے اپنی اتنی خبر بھی نہ رہے۔ اس راہ کے لوگ (مردان خدا) کبھی ہوشیار، کبھی راہ بھولے ہوئے، کبھی ہنستے ہوئے اور کبھی روتے ہوئے زندگی گزارتے ہیں کیوں کہ ہر حال میں معشوق حقیقی کے جلوہ کو الگ الگ رنگ میں دیکھتے ہیں ؎

اگر ہر ساعتے صد بار رخسارش بصد دیدہ
ہمی بینی مشو قانع کہ رخسار دگر دارد

اگر ہر ایک گھڑی میں سو مرتبہ اس کے چہرے کو سو رنگ میں دیکھے، اسی دیکھنے پر قناعت مت کر لے۔ کیوں کہ وہ اس کے علاوہ دوسرا چہرہ بھی رکھتا ہے۔

ترجمہ اشعار:

(۱) ان احوال کی شرح آدمی کو سمجھنے کے لیے، اس وقت کافی ہوگی اگر چہ مختصر ہے۔

(۲) اگر دوسری بار بھی یہ موقع میسر آیا، پورے حق کے ساتھ ان باریکیوں کی شرح ہو جائے گی۔

(۳) کتنا کہو گے اے اصدق! خاموش ہو جاؤ، حق تعالیٰ کے بھید کے معاملے میں ہوش کے ساتھ رہو۔

(۴) جس نے تجھے ہوش دیا، اس کے حق میں ہوش رکھو، اور جس نے تجھے کان دیا، اس کی طرف کان لگائے رکھو۔

(۵) جس نے تجھے جان بخشی، اس کے واسطے جان دے دو، اور جس نے تجھے روٹی عطا کی، اس کی خاطر روٹی تقسیم کرو۔

(۶) جس نے تجھے ہاتھ دیا، اس کا ہاتھ اچھی طرح پکڑو، اور جس نے تجھے پیر دیا، اس کی خدمت سے پاؤں مت کھینچ۔

(۷) اور اس نے تجھ کو زبان دی تو ذکر میں مشغول رہ، اور اس نے تجھ کو تمام جہان دیا، تو غور و فکر میں رہ۔

(۸) جس نے تجھے دل دیا، اسے تو خوشی سے دل دے دے، اور وہ جو تجھ کو یاد کرتا ہے، اسی کی یاد میں رہ۔

(۹) جس نے تجھے حق دیکھنے والی آنکھ وجود میں پیدا کی، اس کو دیکھنے سے آنکھ مت پھیر کشود کے اندر۔

(۱۰) جس نے تجھ کو حق کی سمجھ پوری پوری دی اس کے حق کو بھی کچھ جان، اے سمجھ دار!

(۱۱) شکر ادا کر ہمیشہ خاص طور پر پیر کا، کہ اس نے ایسے انعامات تجھ کو عطا کیے۔

(۱۲) تیری دانائی اور سمجھ داری اسی کی عطا سے ہے۔ یہ خیالات تیرا کمال (درجہ) بڑھانے والے ہیں۔

(۱۳) پیر دل کے اندر اور دل تیرے وجود کو ہمیشہ حق کی راہ دکھانے والا ہے، اور ان سب کو حق جان۔

(۱۴) جب غیر خدا تیرا ہادی نہیں ہو سکتا ہے، تو پیر اور حق تعالیٰ واحد ہی ہوگا۔ اے تنگ نظر!

(۱۵) ایسا ہی فرمایا ہے مولانا روم قدس سرہ نے، جو تمام علوم، سارے افکار اور جملہ اسرار الٰہی کے جامع تھے۔

(۱۶) پیر اور حق تعالیٰ کو کج نظری سے جس نے دو دیکھا، وہ سرکش ہے اور اس راہ میں بے ارادت ہے۔

(۱۷) اے اصدق! ہمیشہ درد میں ڈوبا اور زخم خوردہ بن کر رہ، پیر و مرشد کا حکم بجالا اور فقیر صورت بن کر زندگی گزار۔

اتنی ہی باتیں کافی ثابت ہوں گی، اس سے زیادہ داستان ہو جائے گی اور زیادتی کی شکایت ہوگی، کہی جانے والی باتوں کی رعایت ختم ہو جائے گی۔ اس لیے زیادہ نہیں۔ اللہ بس، باقی ہوس۔

☆☆☆

دینی مسائل

از: محمد خواجہ اکرام مصباحی، مدرس مدرسہ ہذا

سوال:—— کیا دلال (سمسار، بروکر) کو اس کی دلالی کی اجرت دینا جائز ہے؟ یعنی وہ خرید و فروخت کے سودے میں واسطہ بنے، تو کیا اس کی اجرت لینا اور دینا شرعاً درست ہے؟

جواب:—— دلال (سمسار، بروکر) جس کا کام بائع اور مشتری کو آپس میں ملانا ہوتا ہے، اگر وہ اس میں محنت کرے، بھاگ دوڑ کرے، کوشش وسعی کرے، اور وقت صرف کرے تو اسے اجرت لینا اور دینا شرعاً جائز اور حلال ہے بشرطیکہ وہ حلال اشیاء کی خرید و فروخت کرواتا ہو۔ وہ ایمانداری سے سودا کروائے، جھوٹ، دھوکہ، فریب یا زبردستی سے کام نہ لے، اجرت یا فیصد پہلے سے طے ہو، یا بازاری عرف (رواج) کے مطابق کی جائے

رد المحتار میں ہے: "إجارة السمسار والمنادي والحمامي والصكاك و ما لا يقدر فيه الوقت ولا العمل، تجوز لما كان للناس به حاجة، ويطيب الأجر" (سمسار، آواز لگانے والے، حمام (غسل خانہ) چلانے والے، اور دستاویز لکھنے والے کی اجرت ایسے کاموں میں جو وقت یا عمل کے لحاظ سے متعین نہ ہو، جائز ہے کیونکہ لوگوں کو ان کی ضرورت ہوتی ہے، اور ان کی اجرت حلال ہے۔)

(کتاب الاجارۃ، باب الاجارۃ الفاسدۃ. ج/6 ص/46)

اور دوسری جگہ ہے: قال في التتارخانية: "وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل، وما تواضعوا عليه أن في كل عشرة دنانير كذا، فذاك حرام عليهم. وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به، وإن كان في الأصل فاسداً، لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه، كدخول الحمام. وعنه قال: رأيت ابن الشجاع يقاطع نساجاً ينسج له ثياباً في كل سنة." (تاتارخانیہ میں ہے: دلال اور سمسار کی اجرت میں اجرِ مثل واجب ہے، اور جو عرف (رواج) ان کے درمیان ہو کہ ہر دس دینار پر اتنی اجرت ہو، تو وہ (بغیر باہمی رضامندی کے) ان پر حرام ہے۔ اور الحاوی میں ہے: محمد بن سلمہ سے سوال کیا گیا کہ دلال کی اجرت کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں، اگرچہ اصل میں (عقد کی نوعیت) فاسد ہے، کیونکہ لوگ اس پر عمل کرتے ہیں۔

اور بہت سے ایسے معاملات جو اصل میں جائز نہ تھے، لیکن لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے فقہاء نے انہیں جائز قرار دیا، جیسے: حمام میں داخل ہونا (یعنی حمام کا کرایہ متعین نہ ہونا)۔ اور ان سے منقول ہے کہ میں نے ابن الشجاع کو دیکھا کہ وہ ایک جولاہے سے کپڑے بنوا رہے تھے، اور سالانہ بنیاد پر اس سے معاملہ طے کر رہے تھے۔) (کتاب الاجارۃ، باب الاجارۃ الفاسدۃ. ج/6 ص/63)

اور فتاوی فقیہ ملت میں ہے: دلالی اگر یہ مطلب ہے کہ بائع اور مشتری سے بچوانے اور خریدنے کی اجرت لیتا ہے تو یہ جائز ہے، البتہ جھوٹی قسم کھا کر یا جھوٹ بول کر بیع کرانا حرام و ناجائز ہے۔ قرآن و حدیث میں جھوٹوں پر اللہ

تعالی کی لعنت آئی ہے۔(ج/2ص/190)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سوال:——کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ: زید کی بیوی نے اپنے شوہر سے کہا کہ اگر تم مجھ سے بات کرو، تو تم پر قرآن کی قسم یا یوں کہا کہ اگر تم نے مجھ سے بات کی تو تم پر اللہ کی مار ہو۔کیا شریعت کی اصطلاح میں اس کو قسم کہا جائے گا؟ اگر زید نے اپنی بیوی سے بات کرلی تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ برائے کرم دلائل کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

جواب:——قسم کھانا جائز ہے مگر حتی المقدور اس سے بچنا بہتر ہے، بات بات پر قسم نہ کھائی جائے اور قسم صرف اللہ کی ذات وصفات ہی کی کھائی جاسکتی ہے، اور اس قسم کا بالکل کوئی حکم نہیں ہوگا جسے توڑنے سے کفارہ بھی لازم نہ ہوگا۔

بدائع الصنائع میں ہے: "أما اليمين بغير الله، وهو اليمين بالآباء والأبناء والأنبياء والملائكة صلوات الله عليهم، والصوم والصلاة وسائر الشرائع، والكعبة، والحرم، وزمزم، والقبر، والمنبر، ونحو ذلک——فلا يجوز الحلف بشيء من ذلک لما ذكرنا. ولو حلف بذلک لا يُعتد به ولا حكم له أصلاً. (رہی غیر اللہ کی قسم، جیسے باپ، بیٹے، انبیاء، فرشتے علیہم السلام، روزہ، نماز اور دیگر عبادات، کعبہ، حرم، زمزم، قبر، منبر اور اسی طرح کی دیگر چیزوں کی قسم، تو ایسی کسی چیز کی قسم کھانا جائز نہیں ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا۔اور اگر کسی نے ان چیزوں کی قسم کھا بھی لی، تو شریعت میں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اور نہ ہی اس کا کوئی حکم ہے۔)

(بدائع الصنائع۔ج/3ص/21)

صورۃ مسؤلہ میں ان دونوں جملے "اگر تم مجھ سے بات کرو تو تم پر قرآن کی قسم" اور "اگر تم نے مجھ سے بات کی تو تم پر اللہ کی مار ہو" شریعت کی اصطلاح میں ان دونوں جملوں کا باب قسم میں اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ان دونوں جملوں میں زید نے خود قسم نہیں کھائی ہے، بلکہ بیوی نے بطور وعید دھمکی و ناراضگی کہیں ہیں، اور شریعت میں قسم اسی وقت معتبر ہوتی ہے جب کوئی شخص خود اللہ یا قران یا کسی محترم چیز کو واسطہ بنا کر قسم کھائے، لہذا اس کا حکم یہ ہے کہ زید اگر بیوی سے بات کرلے تو اس پر کوئی کفارہ وغیرہ لازم نہیں۔کیونکہ زید کی طرف سے قسم ہی صادر نہیں ہوئی۔یہ صرف ایک دھمکی یا ناراضگی کا اظہار ہے، اور دوسرے کا قسم دلانا ہے اور دوسرے کے قسم دلانے سے، قسم نہیں ہوتی۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: "رَجُلٌ قَالَ لِآخَرَ: وَاللهِ لَا تَفْعَلَنَّ كَذَا وَكَذَا، وَلَمْ يَنْوِ اسْتِحْلَافَ الْمُخَاطَبِ، وَلَا مُبَاشَرَةَ الْيَمِينِ عَلَى نَفْسِهِ، فَلَا شَيْءَ عَلَى وَاحِدٍ مِنْهُمَا إِذَا لَمْ يَفْعَلِ الْمُخَاطَبُ، وَإِنْ نَوَى الْقَائِلُ الْحَلْفَ بِذَلِكَ يَكُونُ حَالِفًا، وَكَذَا لَوْ قَالَ: بِاللهِ لَا تَفْعَلَنَّ كَذَا وَكَذَا، وَلَوْ قَالَ: وَاللهِ لَا تَفْعَلَنَّ كَذَا وَكَذَا، فَلَمْ يَنْوِ شَيْئًا فَهُوَ الْحَالِفُ، وَإِنْ أَرَادَ الِاسْتِحْلَافَ فَهُوَ اسْتِحْلَافٌ، وَلَا شَيْءَ عَلَى وَاحِدٍ مِنْهُمَا، كَذَا فِي فَتَاوَى قَاضِي خَانٍ." (اگر ایک شخص دوسرے سے کہے: واللہ! تم یہ کام ضرور کرو گے اور اس نے، نہ یہ نیت کی کہ وہ مخاطب کو قسم دے رہا ہے، اور نہ یہ نیت کی ہو کہ خود اپنی ذات پر قسم کھا رہا ہے، تو ایسی صورت میں اگر مخاطب وہ کام نہ کرے تو دونوں میں سے کسی پر کچھ بھی لازم نہیں آتا۔اور اگر قائل (کہنے والے) نے یہ نیت کی ہو کہ وہ قسم کھا رہا ہے، تو وہ قسم کھانے والا شمار ہوگا۔اسی طرح اگر وہ یہ کہے: 'باللہ! تم یہ کام ضرور کرو گے، تب بھی یہی حکم ہے۔اور اگر اس نے کہا: واللہ! تم یہ کام ضرور کرو گے لیکن کوئی نیت نہ کی، تب بھی وہ (قائل) قسم کھانے والا شمار ہوگا۔اور اگر اس کا ارادہ یہ ہو کہ

وہ مخاطب کو قسم دے رہا ہے (یعنی استحلاف کا ارادہ ہو)، تو یہ استحلاف شمار ہوگا، اور دونوں میں سے کسی پر بھی کچھ لازم نہیں آتا۔ ایسا ہی فتاویٰ قاضی خان میں مذکور ہے)۔ (کتاب الایمان، الباب الثانی فیما یکون یمینا، الفصل الاول۔ ج/2 ص/60,59)

بہار شریعت میں ہے: ''دوسرے کے قسم دلانے سے قسم نہیں ہوتی مثلاً کہا تمہیں خدا کی قسم یہ کام کر دو تو اس کے کہنے سے اس پر قسم نہ ہوئی یعنی نہ کرنے سے کفارہ لازم نہیں''۔ (بہار شریعت، ج/2 ح/9 ص/303)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سوال:—— کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں: جو مؤذن حضرات بے وضو اذان دینے کی اگر عادت بنالے، تو ایسے لوگوں کا اذان دینا درست ہے یا نہیں کیونکہ وقت رہتے بھر میں وضو نہ بنانا اور بغیر وضو کے اذان دینا اس کا کیا؟

جواب:—— اذان کے لیے وضو شرط نہیں یعنی اگر کوئی شخص بغیر وضو اذان دے، تو اذان شرعاً درست ہو جاتی ہے تاہم وضو کے ساتھ اذان دینا افضل و مستحب ہے، کیوں کہ اذان ایک عظیم شعائر اسلام میں سے ہے، جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر ہے اور طہارت کے ساتھ ذکر کرنا زیادہ بہتر ہے۔

اگر کوئی مؤذن عادۃً بغیر وضو اذان دیتا ہے اور وقت رہتے بھر میں وضو نہیں بناتا ہے تو یہ ادب کے خلاف اور غفلت کی علامت ہے اور کراہت سے خالی نہیں، جو سخت مواخذے کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''الطھور شطر الایمان'' طہارت ایمان کا آدھا حصہ ہے۔ لہذا مؤذن کو چاہئے کہ وہ وضو کا اہتمام کرے، اگر وہ اہتمام نہ کرے تو امام یا انتظامیہ کو چاہئے کہ اولاً ایسے مؤذن کو نرمی سے سمجھائیں اور اسے نصیحت کریں کہ وہ اذان جیسے مقدس عمل کو باوضو انجام دے۔ اگر اصلاح کے بعد بھی وہ باز نہ آئے اور مسجد کے تقدس کا خیال نہ رکھتے ہوئے بار بار جان بوجھ کر ادب کی خلاف ورزی کرتا رہے تو مسجد انتظامیہ کے لیے جائز ہے کہ ایسے مؤذن کو بدل کر اس کی جگہ باادب اور دین دار مؤذن مقرر کرے تاکہ شعائر اسلام کا تقدس باقی رہے۔

بدائع الصنائع میں ہے: "ومنها أن يكون المؤذن على الطهارة، لأنه ذِكرٌ مُعَظَّم، فإتيانه مع الطهارة أقرب إلى التعظيم، وإن كان على غير طهارة، بأن كان مُحدثاً، يجوز" (اور اذان کی سنتوں میں سے یہ بھی ہے کہ مؤذن کا باوضو ہونا مستحب ہے، کیونکہ اذان ایک عظیم ذکر ہے اور طہارت کے ساتھ اس کا ذکر کرنا تعظیم کے زیادہ قریب ہے، لیکن اگر وہ بے وضو ہو، یعنی اگر وہ حدث کی حالت میں ہو تو بھی اذان دینا جائز ہے) (بدائع الصنائع، کتاب الصلوۃ، فصل بیان سنن الأذان۔ ص 149۔ المکتبۃ الشاملۃ)

فتح القدیر میں ہے: "فإن أذن على غير وضوء جاز" اگر بغیر وضو اذان کہی گئی، جائز ہے۔ (ج/1 ص/251)

اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتاوی رضویہ میں ایک ایسے ہی سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا: جائز ہے بایں معنی کہ اذان ہو جائے گی مگر چاہیے نہیں، حدیث میں اس سے ممانعت آئی ہے، لہذا علامہ شرنبلائی نے نظر حدیث کراہت اختیار فرمائی ہے اس لیے مستحب یہ ہے کہ باوضو اذان دے۔

(فتاوی رضویہ: ج/5 ص/370)

اور ہدایہ میں ہے: "وينبغي يستحب أن يؤذن ويقيم على طُهْرٍ، فإن أذّن على غير وضوءٍ جاز، لأنه ذِكرٌ وليس بصلاةٍ، فكان الوضوء فيه استحباباً كما

في القراءة." (یعنی مناسب ہے کہ اذان اور اقامت حالت طہارت میں کہے، پس اگر کوئی بغیر وضو اذان دے تو یہ جائز ہے، اس لیے کہ یہ ذکر ہے نماز نہیں، وضو اس میں مستحب ہے جیسا کہ تلاوت میں) (ہدایہ اولین، کتاب الصلاۃ، ص/95)

اور مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے:
"قوله: إقامة، أي يكره إقامة المحدث وأذانه، وقيل: لا تكره إقامته، وفي كراهية أذان المحدث روايتان كإقامته، وفي البدائع: وإن كان المؤذن على غير طهارة، بأن كان مُحدِثاً، يجوز ولا يُكره حتى لا يُعاد في ظاهر الرواية." (قولہ اقامۃ یعنی یہ کہ حالت حدث میں اقامت کہنا مکروہ ہے اور اذان کے بارے میں بھی یہی کہا گیا ہے کہ مکروہ ہے جبکہ ایک قول یہ ہے کہ اقامت کہنا مکروہ نہیں، اور اذان کے بارے میں حالت حدث میں کراہت سے متعلق دو روایتیں ہیں جیسے کہ اقامت کے بارے میں ہے، اور "البدائع" میں ہے کہ اگر مؤذن بغیر طہارت کے یعنی بے وضو اذان دے، تو جائز ہے۔ اور ظاہر روایت کے مطابق مکروہ بھی نہیں، اور اذان کو دوبارہ کہنا واجب نہیں۔)

(مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ص/79)

واللہ اعلم بالصواب

سوال:—— اگر عورت کے سر کے بال کھلے ہوں، یعنی باندھے نہ ہوں، لیکن وہ مکمل طور پر دوپٹہ، چادر یا اسکارف سے ڈھکے ہوئے ہوں اور باہر سے کوئی بال یا سر کا حصہ نظر نہ آرہا ہو، تو کیا اس کی نماز ہو جائے گی؟ اور اگر دوپٹہ یا کپڑا اتنا باریک ہو کہ اس سے سر کے بالوں کی رنگت یا شکل نظر آئے، تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب:—— اگر عورت کے سر کے بال کھلے ہیں لیکن وہ مکمل طور پر دوپٹہ چادر یا اسکارف سے ڈھکے ہوئے ہیں اور بال یا ان کی رنگت نظر نہ آئے، تو ستر (چہرہ، ہتھیلیوں اور قدموں کے علاوہ کا چھپا ہونا) کے تقاضے پورے ہونے کی وجہ سے اس کی نماز درست ہو جائے گی، کیونکہ بالوں کا کھلا یا بندھا ہونا اس شرط کو متاثر نہیں کرتا، بشرطیکہ وہ مکمل طور پر چھپے ہوں۔ البتہ، اگر دوپٹہ یا کپڑا اتنا باریک ہے کہ اس سے سر کے بالوں کی رنگت یا شکل ظاہر ہوتی ہو، تو یہ شرعی ستر کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا۔ نماز کے لیے کپڑے کا غیر شفاف اور گھنا ہونا ضروری ہے تاکہ جسم یا بالوں کی رنگت اور شکل نہ دکھائی دے۔ ایسی صورت میں نماز درست نہیں ہوگی۔ لہٰذا، عورت کو چاہیے کہ وہ ایسا گھنا اور غیر شفاف کپڑا استعمال کرے جو بالوں اور جسم کو مکمل طور پر چھپائے۔ درمختار میں ہے: و (للحرة) ولو خنثى (جميع بدنها) حتى شعرها النازل فى الاصح (خلا الوجه والكفين) فظهر الكف عورة على المذهب (والقدمين) عورت اور خنثیٰ کا پورا بدن ستر عورت ہے، حتی کہ اصح قول کے مطابق سر کے لڑکے ہوئے بال بھی ستر عورت میں شامل ہیں، سوائے چہرہ، ہتھیلیوں اور قدموں کے، کہ یہ ستر عورت میں شامل نہیں۔ (درمختار مع رد المحتار۔ ج/1 ص/405۔ دار الفکر، بیروت) فتاوی ہندیہ میں ہے:
"والثوب الرقيق الذى يصف ما تحته لا تجوز الصلوة فيه كذا فى التبيين" (اتنا پتلا کپڑا کہ جس کے نیچے سے جسم ظاہر ہو اس میں نماز جائز نہیں، یوں ہی تبیین میں ہے) (فتاوی ہندیہ ج/1 ص/59 دار الفکر، بیروت) بہار شریعت میں ہے: "آزاد عورتوں اور خنثیٰ مشکل کے لیے سارا بدن عورت ہے، سوا منہ کی ٹکلی، اور ہتھیلیوں اور پاؤں کے تلوے کے، سر کے لٹکے ہوئے بال اور گردن اور کلائیاں بھی عورت ہیں، ان کا چھپانا بھی فرض ہے"۔ (بہار شریعت۔ ح/3 ص/481، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

☆☆☆

سیرت

حسنت جمیع خصالہ

از: سید رکن الدین اصدق چشتی، چشتی چمن پیر بیگھہ شریف

رحمۃٌ للعالمین:— رحمۃٌ للعٰلمینی آپ کی ایک بحر ذخّار ہے۔ موتی اس میں سے نکال لانا دشوار ہے بس اپنے حوصلے اور علم کی بساط کے اندر رہ کر مستند تواریخ کی روشنی میں کچھ مثالیں سامنے لانے کی جسارت کر رہا ہوں۔ نوجوان علما، بالغ نگاہ طلبا اور مطالعہ کے شائقین اردو خواں حضرات اس سے نفع اندوز ہو سکیں گے۔

حرب الفجار:— پندرہ سال کی عمر میں خاندانی انتقام کی جو جنگ آپ نے دیکھی تھی۔ قومی عصبیت میں انسانی خون کی یہ بے حرمتی آپ کے لیے دکھ کا سامان بنی تھی۔ آپ نے کم عمری کے باوجود اس خون ریزی سے سخت بیزاری کا اظہار فرمایا تھا۔

حلف الفضول:— بعثت نبوی سے قبل کچھ نیک دل لوگوں نے مل کر یہ پیمان باندھا تھا کہ عورتوں، بچوں اور یتیموں پر ظلم نہیں ہونے دیں گے۔ کمزوروں کا حق زبردستوں کو مارنے نہیں دیں گے۔ قتل وقتال اور غارت گری کو اپنی بساط بھر روکنے کی کوشش کریں گے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حلیفوں کا برملا ساتھ دیا تھا اور اس انجمن کے ممبران کی کھلی حمایت کی تھی۔ آپ کے اس اقدام سے یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ رحمت کا عنصر آپ کی فطرت میں تھا۔ بعد بعثت حق تعالیٰ نے ''وَمَا اَرسلنٰك اِلّا رَحمۃٌ لِّلعٰلمِین'' کہہ کر آپ کی رحمت کا جلوہ عام فرمایا۔

چنانچہ اقصائے عالم پر آپ کی رحمت کا اجالا پھیل گیا۔ ہر کوچہ و بازار تک پہونچا۔ ہر شاہ و گدا پر سایہ فگن ہوا۔ تھوڑی ہی مدت میں دنیا نے معمورۂ عالم کا نقشہ بدلا ہوا دیکھا۔

جہاں تاریک تھا ظلمت کدہ تھا سخت کالا تھا
کوئی پردے سے کیا نکلا کہ گھر گھر میں اجالا تھا

دیکھیے ''رحمۃٌ لِّلعٰلمین'' کے مصنف اپنی کتاب کے ص ۹۵/ پر اس کا ثبوت واضح طور پر فراہم کرتے ہیں۔

''رحمۃٌ لِّلعٰلمین وہ ہے، جس کی نگاہ میں رومی یونانی مصری، سوڈانی، سب مساوی ہیں۔ جس کے دربار میں مدعم سوڈانی، بلال حبشی، فیروز خراسانی، سلمان فارسی، صہیب رومی، اسامہ نجدی اور عدی طائی پہلو بہ پہلو بیٹھے ہیں۔

جہاں جندل کا بادشاہ اکیلا نہیں، بلکہ عمان کا حکمران عبقران آل حمیر کا مدعی الوہیت ذوالکلاع اور یمن کا بڑا کاہن ضمّاد غلامان بارگاہ سے پیچھے صف نعال میں خرّم وشاداں موجود ہیں —''

آج عورتوں کو مردوں کے دوش بدوش کھڑا کرنے کی کوششیں تیز کر دی گئی ہیں۔ بیٹی بچاؤ، بیٹی پڑھاؤ، کا نعرہ ہر طرف سے سننے میں آرہا ہے۔ سرکاری ملازمتوں میں ریزرویشن دیا جارہا ہے۔ لکھیا، ایم ایل اے اور ایم پی کی سیٹیں مخصوص کی جارہی ہیں۔ لیکن ان کی عصمتوں کی حفاظت کی گارنٹی دینے کو کوئی تیار نہیں ہے۔ وہ آج بھی لوٹی جارہی ہیں اور جلائی جارہی ہیں۔

وہ رحمۃٌ لِّلعٰلمین ہی تھے، جنھوں نے عورتوں کی عظمت بتائی۔ ان کے حقوق متعین فرمائے۔ اور ان کی عصمتوں کی حفاظت کے ایسے اصول مقرر کیے کہ آج تک دنیا کا کوئی مذہب اس کی ہمسری نہ کر سکا۔ یہی وجہ ہے کہ جن ملکوں میں اسلامی قانون کا جس قدر زیادہ پاس ولحاظ ہے، وہاں اسی قدر عورتوں کی عصمت بھی محفوظ ہے۔

جن ملکوں یا قوموں کی طرف سے عورتوں کے مساوات کی آوازیں اٹھی ہیں یا اٹھ رہی ہیں انہوں نے یہ نعرہ اسلام سے مستعار لیا ہے۔ یہ دعویٰ ہمارا ہوا ہوائی نہیں ہے اس لیے کہ اسلام سے پہلے دنیا کی حالت کیا تھی، یہ

ادیان عالم کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے۔

(۱) عورتیں، غلوں اور سکہ رائج الوقت کی طرح دان میں دے دی جاتی تھیں اور اسے کنیا دان کہا جاتا تھا۔ یہ ہندومت کی عام روش تھی۔ اس کا اثر آج بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ وہ کس طرح جہیز کی بھینٹ چڑھا دی جاتی ہیں۔

(۲) عورتیں، بس ایک بے روح کی طرح ہیں۔ ان کی حیثیت اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ وہ شیاطین کی آلہ کار ہیں۔ یہ عیسویت کے فاسد نظریات طلوع اسلام کے پہلے تک تھے۔

(۳) عورتوں کی حیثیت تو بس اسی قدر ہے کہ مردوں کے اندر جو شہوانی خواہشات رکھے گئے ہیں، اس کی تسکین کا وہ سامان بنیں۔ یہودیت کے اولین فارمولے بس یہی تھے۔

(۴) عورتیں، ایک بے جان سی مخلوق، زمین کی طرح ہیں۔ جن کی مردوں کو بطور کھلونا ایک ضرورت تھی۔ ایران کی قدیم قومیں مزدکیہ و مانویہ وغیرہ کے یہ باطل خیالات اسلام کے قبل رائج تھے۔

ایسے گھنونے تصورات کی دنیا میں رحمت کا ایک پیکر اسلام کی شمع ہاتھوں میں لیے ہوئے پردۂ غیب سے نمودار ہوا۔ اور اس نے دنیا کے باطل اوہام کے سارے بتوں کو اپنے اس پیغام کے ذریعہ اوندھے منہ گرا دیا ''وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ'' لوگو! جیسے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں، ویسے ہی عورتوں کے حقوق بھی مردوں پر ہیں۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ایک آفاقی پیغام تھا جو دنیائے معلومہ کے شرق و غرب تک پہونچا۔ اور آج کی ترقی یافتہ دنیا اسلام کا نام لیے بغیر اس پیغام کے قبول کرنے پر مجبور نظر آ رہی ہے۔ اسلام کے اس عظیم احسان سے آنکھیں بند کر لینے والی عورتیں بدنصیب ہیں۔

چاہے وہ مسلم ہوں یا کوئی اور۔ وہ نہیں جانتیں کہ اسلام نے انہیں حقوق بھی دلوائے اور انھیں بیش قیمت ثابت کرنے کے لیے حجاب میں رہنے کا حکم بھی فرمایا—— آج اپنے اور بیگانے، محرم اور غیر محرم کی تمیز اٹھا دینے کا انجام سامنے ہے۔ سبھوں سے بے تکلفانہ میل جول کے نتیجے میں عصمتیں لٹ رہی ہیں اور گھرانے برباد ہو رہے ہیں۔

صرف ساحل سے قیاس آرائی کا کیا فائدہ
ڈوب کر دریا کی گہرائی کا اندازہ کرو

خصائص مصطفےٰ

محمد—— یہ نام پاک عربوں کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے الہام ربانی کے بعد ہی آپ کا یہ نام رکھا تھا۔ اور آپ کے بعد پوری دنیائے اسلام میں اس نام سے زیادہ کوئی دوسرا نام نہیں ملتا۔ اس نام کی کثرت کا تصور بھی ممکن نہیں یہ آپ کی غیر معمولی مقبولیت اور آپ سے کمال محبت کی دلیل ہے۔

اس نام کو مکرم، محترم، محبوب اور مقبول بنانے میں آپ کے بزرگوں کے ناموں کا بھی دخل ہے۔ اس لیے کہ والد محترم کا نام ''عبد اللہ'' والدۂ مکرمہ کا نام ''آمنہ'' اور دودھ ماں کا نام ''حلیمہ'' تھا۔ یعنی حضور ایسے مقدس ہیں جن کا پیکر اطہر عبودیت کے خون سے بنا، جن کا امن کے بطن میں مراتب وجود تکمیل کو پہونچا۔ اور جن کی تربیت حلم و بردباری کے شیر سے ہوئی۔

آپ کے بزرگوں میں ایسے اسماء کا جمع ہونا کوئی اتفاقی امر نہیں ہے بلکہ اس نومولود کی شان رفیع کو ظاہر کرنے کے لیے قدرت کا انتظام ہے۔ عقل رہنمائی کرتی ہے کہ جس بچہ کے پیکر عنصری میں ایسے فضائل کی جامعیت موجود ہو، بلاشبہ وہ بچہ محمد، لایق تعریف ہے۔ عبدیت میں کوئی آپ کا ثانی نہیں۔ دنیا کا امن شانتی آپ کے دم قدم کا صدقہ ہے۔ حلم و بردباری آپ کی بے مثل و مثیل ہے۔ آپ کے ان محاسن کی تعریف معمورۂ عالم میں کی گئی۔ کی جا رہی ہے اور کی جاتی رہے گی۔ اسی لیے نام رکھا گیا ''محمد'' تعریف کیا ہوا۔

محمد مصطفیٰ مہر سپہر اوج عرفانی
ملی جس کے سبب تاریک ذروں کو درخشانی

(رحمۃ للعلمین)

اُمّی —— وہ ایسا اُمّی ہے کہ اُمّ القریٰ کی عزت وعظمت اسی نسبت قدسیہ کے سبب سے ہے۔ وہ ایسا اُمّی ہے کہ وہ اپنے جملہ افعال واقوال میں معصوم ہے۔ اس کی ذات سے خطا کا صدور ممکن نہیں ہے۔

وہ ایسا اُمّی ہے کہ اس کی تعلیم کتابی حروف جانے والے نقوش کی قطعاً محتاج نہیں۔ وہ اُمّی ہے، روئے زمین پر اس کا کوئی معلم نہیں۔ لیکن وہ خود معلم ہے، ایسا معلم کہ ساری خلقت نے اس کی تعلیم سے خدا کا عرفان حاصل کیا——''

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست
کتب خانۂ چند ملت بششت

حلیم —— وہ ایسا حلیم ہے کہ حِلم اس کی رگ وپے میں سرایت کر چکا تھا۔ بردباری اس کی طبیعت بن چکی تھی وہ ایسا حلیم کہ تمام مصائب برداشت کر لینے والا تھا۔ بدلہ لینے کی قوت کے باوجود ہر ظلم کو سہہ لینے والا تھا۔

وہ ایسا حلیم کہ دشنام طرازوں کی گالیاں اس کی خنداں پیشانی کو کبھی عرق آلود نہ کر سکی وہ حلیم ایسا کہ بدکلامی کرنے والا یہودی، جواب میں دعا پا کر اس کے آستانۂ عظمت پر سجدہ ریز دیکھا گیا۔

سید—— وہ سید ہے، ایسا سید کہ خود ہی ارشاد فرمایا ''اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدم''، میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں۔ وُلد، وَلد کی جمع ہے۔ یعنی کوئی آپ کے دائرہ سیادت سے باہر نہیں ہے۔ وہ سید ہے، ایسا سید کہ ببانگ دہل اعلان فرمادیا ''اَنَا سَیِّدُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْآخِرِین''، میں قبل وبعد آدم تا آخر دم، سبھوں کی سرداری کا تاج سر پر رکھ کر آیا ہوں۔ وہ سید ہے، ایسا سید کہ زبان حق ترجمان کہہ رہی ہے ''آدَمُ وَ دُوْنَہٗ تَحْتَ لِوَائی''، روز محشر بشمول حضرت آدم ابوالبشر ہر ایک میرے جھنڈے کے سایہ میں ہوگا۔

فقط اتنا ہے مقصد انعقاد بزم محشر کا
دکھائی جانے والی ہے کسی کی شان محبوبی

شارع —— وہ شارع ہے، ایسا شارع کہ وضع قانون میں کوئی اس کا ہمسر نہیں۔ کوئی شارع ان کا مدمقابل نہیں، کسی کی شریعت ان جیسی مکمل اور جامع نہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت تھے۔ ان کے بعد بنی اسرائیل کے پیغمبروں میں دو ہزار سال تک کوئی صاحب شریعت نہیں ہوا۔

حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام نے بھی اعلان فرمادیا کہ لوگو! یہ نہ سمجھو کہ میں تورات کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ بلکہ قوانین تورات کو مزید استحکام بخشنے آیا ہوں ——''

ادیان عالم میں کوئی دین، کسی کی شریعت، شریعت محمدیہ سے زیادہ مکمل زیادہ مفصل، تمام جزئیات پر حاوی، بالکلیہ کلیات پر مشتمل، جملہ ضروریات انسانی پر محتوی اور عالمی تمدن کی حامی نہیں ——''

خدایت ثنا گفت وتجیل کرد
کہ تورات وانجیل منسوخ کرد

شافع —— لاریب حضور ہی صاحب مقام محمود ہیں۔ اور بلاشبہ حضور ہی شفاعت کبریٰ کے حامل ہیں۔ شافع محشر حضور ہی کی شان ہے۔ جس دم سارے انبیاء نفسی نفسی کہہ رہے ہوں گے، اس گھڑی حضور اکرم کی پکار ''انا لھا'' ہوگی۔

خواجہ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بار میرے رب نے میری امت کے متعلق مجھ سے مشورہ چاہا ''مَاذَا اَفعَلُ بِھِمْ'' اے محمد! میں تمہاری امت کے ساتھ کیا سلوک کروں۔ میں نے عرض کیا ''مَا شِئتَ یَا ربِّ''، پروردگار! جو تیری مرضی اس جملے سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو امت کی طرف سے بے پروائی تھی۔

مگر نہیں، آگے عرض پرداز ہیں ''ھُم خَلْقُكَ وَعِبَادُكَ''، پروردگار! وہ صرف میرے امتی ہی نہیں، تیرے ہی پیدا کردہ تیرے بندے بھی تو ہیں —— اس جملے میں کس قدر دل سوز التجا ہے۔ تین بار اسی طرح عرضی گذارنے پر رب تعالیٰ کا دریائے کرم جوش میں آیا اور پوری شان کریمی کے ساتھ فرمایا۔

''اِنِّی لَنْ اُخْزِیَكَ فِی امّتِكَ یَا احمد'' (مسلم)
اے احمد! میں تمہیں تمہاری امت کے معاملے میں ہرگز رسوا

نہ کروں گا۔ سبحان اللہ! کیا ناز بردارانہ انداز ہے رب تعالیٰ کا اپنے محبوب پیغمبر کو راضی کرنے کے لیے۔ اگر اب بھی کسی حرماں نصیب کو آپ کی شفاعت کبریٰ سے انکار ہے، تو چاہیے کہ وہ اپنے دل کا علاج کرائے۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دوعالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد

صادع —— صدع، کھلے ہوئے بیان کو کہتے ہیں۔ امر الٰہی کو صاف صاف بیان کر دینا، آپ کا وصف تھا، اس لیے آپ صادع ہیں۔ دنیا داروں کی مخالفت کی آپ نے کبھی پرواہ نہ فرمائی۔ دشمنوں کی مخاصمت کی طرف آپ نے کبھی توجہ نہ دی۔ بدخواہوں کی دھمکی کو آپ نے کبھی خاطر میں نہ لایا اعدائے دین کی تدابیر فاسدہ سے آپ کبھی مرعوب نہ ہوئے۔

آپ وہ صادع ہیں کہ بت پرستوں کے درمیان کھڑے ہوکر نہایت بے خوفی کے ساتھ فرمایا ''اِنَّکُمْ وَ ما تعبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ حَطَبُ جَهَنَّمَ ''تم سبھی، اور تمہارے تمام معبودان باطل، ایک دن جہنم کے ایندھن بنادئے جاؤ گے''۔

آپ ایسے صادع ہیں کہ یہود و نصاریٰ کی بھری بزم میں کھڑے ہوکر بڑی بے باکی سے تقریر فرمائی ''یَا اَهْلَ الکتابِ لَسْتُم عَلیٰ شَیءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّورَاةَ وَالْاِنجِیْلَ وَمَا اُنزِلَ اِلَیکُم مِن رَّبِّکُمْ '' اے تورات و انجیل کے ماننے کا دعویٰ کرنے والو! تم سچائی کے کسی درجہ پر نہیں ہو۔ جب تک تم لوگ تورات، انجیل اور خدائے تعالیٰ کے اس کلام پر جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، پوری طرح قائم نہ ہو جاؤ۔

آپ ایسے صادع ہیں کہ اپنی قوم میں بھی کسی لَیتَ وَلَعَلّ کے بغیر پوری صاف گوئی سے فرمایا ''اِنِّی لَا اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَداً '' لوگو! میں تمہاری فلاح و بہبود یا تمہارے نقصان و ضرر کا مالک نہیں۔ رب تعالیٰ نے زبان رسالت سے یہ کلمات اس لیے کہلوائے کہ کوئی بھی دنیاوی مفاد کو نظر میں رکھ کر اسلام میں داخل نہ ہو۔ یا داخل اسلام ہونے کے بعد دنیوی نفع و ضرر کا کوئی آپ سے تقاضا نہ کرے۔ اس کا مطلوب صرف اور صرف عاقبت بخیر ہو۔

صادق —— آپ صادق بھی ہیں۔ روحانیت کی بلند ترین منزل مقام صدق ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ صدق ہی اعمال کی روح اور دین کی بنیاد ہے۔ صدق ہی کے ستون پر یقین کا شامیانہ کھڑا ہوتا ہے۔ صدق ہی کے دروازے سے بندہ دربار خداوندی تک رسائی حاصل کرتا ہے۔

اللہ کا انعام پانے والوں کی فہرست میں انبیاء کے بعد دوسرا نام صدیقین کا ہے۔ اس کے بعد شہداء ہیں اس کے بعد صالحین۔ معلوم ہوا کہ مقام نبوت کے بعد ولیوں میں سب سے اونچی پرواز صدیقین کی ہے۔ خواجہ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی اپنی قوم میں صادق ہیں۔ قبل اعلان نبوت بھی آپ اس نام سے پکارے جاتے تھے ''اَلَّذِیْ جَاءَ بالصِّدق'' وہ جو صدق کے پیرہن میں آیا۔ اسے آپ اپنی اصطلاح میں صدق کا ایوارڈ، نام دے لیجیے۔

شاهد —— شاہد کے معنی گواہ اور حاضر دونوں معنی ہیں۔ کلمۂ تشہد ''اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ'' میں گواہی کے معنی ہیں۔ اور دعائے جنازہ ''اَللّٰهُمَّ اغفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وشاهِدِنَا وَغَائِبِنَا'' میں غائب کے مقابل حاضر کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

خواجہ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قرآن حکیم میں دونوں معنی میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور لاریب حضور دونوں معنی کے حامل ہیں۔ علماء اعلام کی مستند کتابوں میں اس کے بکثرت شواہد موجود ہیں۔ ہم اس مختصر میں تفصیل لانے سے معذور ہیں۔

''اِنَّا اَرسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیرًا '' خواجہ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قرآن حکیم میں یہ تین اسمائے صفاتیہ اکھٹے ذکر ہوئے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم، شاہد، مبشر اور نذیر، ان تینوں اسماء کے بتمام و کمال مظہر تھے۔ ہم ذیل کی سطروں میں تھوڑی سی وضاحت اس لیے کر رہے ہیں تاکہ حق واضح ہو جائے۔

آپ شاہد ہیں —— ایسے شاہد کہ روئے زمین پر کوئی موحّد نہ تھا۔ آپ نے حق تعالیٰ کی الوہیت کی شہادت دی ''اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ'' اور کسی خطرے کو خاطر میں نہ لائے

بغیر اس شہادت پر اس طرح جمے رہے کہ آدھی دنیا کے قدم کو اس شہادت پر جما دیا۔ اور آج وہ صدق دل سے یہ پڑھ رہے ہیں ''اشھدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللہ''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبشر بھی ہیں۔ یعنی جن لوگوں نے حق تعالیٰ کی الوہیت کی شہادت دی، اس کے بعد شرک کی آلائش سے پاک رہے۔ اور اس کی بندگی کا حق ادا کیا۔ آپ نے انہیں انعام خداوندی اور ثمرۂ آخرت کی بشارت دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نذیر بھی ہیں۔ یعنی جن لوگوں نے رب کی ربوبیت کا انکار کیا۔ شرک میں مبتلاء رہے۔ حق پرستوں کو آزار پہونچایا۔ آپ انہیں غضب الٰہی سے ڈراتے رہے۔ عذاب جہنم کا خوف ہمیشہ دلاتے رہے۔

فاتح —— فتح کے معنی کشور کشائی اور کشاد قلبی دونوں ہیں۔ پہلے معنی میں آپ کی شہرت دوسرے معنی کے مقابل کم ہے۔ اس لیے کہ آپ کی بعثت کا مقصود کشور کشائی نہیں تھی۔ دوسرے معنی میں آپ کا چرچا اور شہرہ ہفت افلاک تک ہے اس لیے کہ حق تعالیٰ نے خواجہ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو قلب وروح کی فتح کے لیے ہی مبعوث فرمایا تھا۔

آپ فاتح ہیں —— مکہ کی فتح کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ قرآن حکیم نے حدیبیہ کی صلح کو آپ کی فتح قرار دیا جس کے نتائج خوبصورت فتح کے طور پر سامنے آئے۔ خیبر کی فتح اسلامی تاریخ کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔ اس فتح سے یہود کی کمر ٹوٹ گئی اور اسلام کو ہر سو بالادستی نصیب ہوئی۔

آپ کے بعد آپ کے تربیت یافتہ افراد کے ہاتھوں، فتوحات کا ناٹوٹنے والا سلسلہ جو جاری ہوا۔ اور روم وشام زیر نگیں آئے۔ ایوان کسریٰ پر اسلام کے جو پرچم لہرائے۔ ان سارے فتوحات کا سہرا بھی بے کم وکاست آپ ہی کے سر جاتا ہے۔ ہاں! پیغمبر اسلام امن کے داعی تھے۔ اس لیے فتح کے بعد قتل وغارت گری کہیں بھی دیکھنے میں نہ آئی ؎

وہ جس نے تخت اوندھے کر دیے شاہان جابر کے
بڑھائے مرتبے دنیا میں ہر انسان صابر کے

مطاع —— اللہ جل جلالہ ہی کی ذات بے نیاز ہے، جس کی اطاعت مقصود بالذات ہے۔ لیکن کوئی جن وبشر براہ راست اللہ ہی سے طریقۂ عبادت نہیں سیکھ سکتا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اطاعت کی راہ بتانے اور بندگی کے آداب سکھانے کے لیے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا۔ اور امتیوں پر ان کی اطاعت اور پوری پوری پیروی لازم وواجب قرار دی۔ اور یہ اصول مقرر کر دیا کہ رسول کی اطاعت کرنے والے ہی حق تعالیٰ کے سچے اطاعت گذار سمجھے جائیں گے ''وَما اَرسَلنا مِن رَّسُولٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذنِ اللہ''۔

خواجہ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم، مطاع العالمین ہیں۔ اس لیے کہ آپ کسی خاص قوم، یا مخصوص آبادی یا کسی ایک قبیلے کی ہدایت پر معمور نہیں کیے گئے۔ بلکہ پیغمبر آخر الزماں کی حیثیت سے دھرتی کے شرق وغرب کے لیے ہادی بن کر آئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مخاطب جملہ عالم ہے۔ اور آپ ایسے مطاع ہیں کہ رب تعالیٰ کا آپ کے لیے یہ خاص فرمان جاری ہوا ''وَمَن یُّطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اَطَاعَ اللہ'' ؎

طریق مصطفیٰ کا چھوڑنا ہے وجہ بربادی
اسی سے قوم دنیا میں ہوئی بے اقتدار اپنی

ماحی —— کسی چیز کو محو کر دینے والا، کسی وجود کو ملیا میٹ کر دینے والا، رسم بد کو بالکل مٹا دینے والا۔ حضور ماحی ہیں —— کفر وضلالت کو محو کر دینے والے، حضور ماحی ہیں، اصنام پرستی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے والے۔ حضور ماحی ہیں، جور وجفا کا دروازہ بند کر دینے والے۔ حضور ماحی ہیں، زمانے سے خمر نوشی، قمار بازی، زنا کاری، گراں فروشی اور چور بازی کو مٹا دینے والے۔ وہ حضور ہی کی ذات ہے جن کے ارشادات عالیہ کو سن کر نصاریٰ نے حضرت مریم کو خدا کی والدہ کہنے سے گریز کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں ''اَنَا الْمَاحِی الَّذِی یَمْحُو اللہُ بِیَ الْکُفرَ''۔

نور —— خواجہ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم خلعت نور سے اس طرح نوازے گئے کہ ہر طرف آپ کی نورانیت کا چرچا سنائی دیتا ہے حق تعالیٰ نے آپ کو نور فرمایا ''فھو علیٰ نور من ربہ'' (سورہ زمر) قرآن حکیم نے آپ کو نور بتایا ''قَدْ

جَاءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُور'' حدیث نور میں نور مطلوب ہوا ''اَللّٰھُمَّ اَعْظِمْ لِی نوراً وَّجَعَلْنِی نُوراً'' صحابہ کرام نے آپ کے فیضان نور کا چرچا کیا۔ حضرت کعب بن زہیر اپنے قصیدہ میں فرماتے ہیں ''اِنَّ الرَّسُولَ لَنُورٌ یُسْتَضَأُ بِہٖ'' رسول بے شک نور ہیں جن سے روشنی کا ظہور ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس کتاب کے ساتھ مبعوث ہوئے اسے بھی نور ہی کہا گیا ہے ''وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِیْ اُنْزِلَ مَعَہٗ'' (اعراف)

مشہود ـــــ مشہود وہ ہے جس کے حق میں شہادت دی جائے۔ امام قرطبی کہتے ہیں انبیاء علیہم السلام شاہد اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم مشہود ہیں۔ رحمۃ للعلمین کے مصنف فرماتے ہیں کہ امام قرطبی کا قول درست ہے۔ حضرت موسیٰ، حضرت یعقوب، حضرت داود، حضرت سلیمان، حضرت شعیب، حضرت یرمیاہ، حضرت حبقوق، اور حضرت مسیح علیہم السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت اور آپ کے آمد آمد کی اطلاعیں دی ہیں۔

سابقین انبیاء کرام نے حضور کا حلیہ شریف، حضور کا مقام ولادت، حضور کی جائے ہجرت، حضور کی پاک تعلیم، حضور پر کلام اللہ کا نزول، حضور کی راست بازی، اور حضور کے دروس پاک کا ذکر فرمایا ہے۔ لہٰذا بالیقین خواجہ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم مشہود ہیں۔ زمین و آسمان میں روزانہ حق تعالیٰ کی عبودیت اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی شاہانہ نوبت بجتی ہے ؎

ہم نشیں آ مل کے گائیں، نغمۂ دل کے ساز پر
میں کروں ذکر محمد، تو خدا کا نام لے

ھادی ـــــ لفظ ہادی، دو معنی میں مستعمل ہے۔

(۱) کسی کے دل میں ایمان ڈال دینا۔ اور یہ کام انبیاء کا نہیں ہے۔ اس معنیٰ میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ''اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ'' (قصص) اے محبوب! تم اس کو ہدایت نہیں دے سکتے، جسے تم پسند کرتے ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے۔

(۲) لوگوں کو ایمان و یقین کی طرف بلانا۔ اپنی دعوت کو دلائل عقلی اور براہین روحانی سے ثابت کرنا۔ اپنے افعال حسنہ اور اقوال حکیمہ سے دعوت کو تقویت پہونچانا۔ اپنی غرض کا معمولی شائبہ بھی نہ پایا جانا۔ طمع کی آمیزش سے دعوت کو پاک رکھنا۔ خالصۃ لوجہ اللہ مدعوئین کی خیر خواہی کو دل میں جگہ دینا۔ یہ منصب نبی کا ہے۔ اور خواجہ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات پر اس کی تکمیل ہوتی ہے اسی معنی میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے ''اِنَّکَ لَتَھْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ'' بے شک آپ سیدھی راہ کی ہدایت کرنے والے ہیں۔

خواجہ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود پاک میں ہادی برحق کے جملہ اوصاف مجتمع تھے، مثلاً کشادہ روئی، بردباری، نرم گفتاری، خاکساری، شیریں کلامی، واضح بیانی، نیک دلی، اور چشم پوشی جو بھی آپ کے قریب آتا، اسیر دام محبت ہوجاتا۔ اور دل اس کا آپ کے آستان عظمت پر سجدہ ریز ہوجاتا۔ سچ کہا ہے، کسی عاشق دل ربودہ نے ؎

خاتم ـــــ بلاشک وریب، نبوت آپ پر ختم، رسالت آپ پر تمام، کمالات آپ پر منتہی، محاسن آپ پر تمام۔ اب نہ کوئی نبی ہوگا اور نہ آپ جیسا کمال والا۔ اب نہ کوئی رسول آئے گا اور نہ آپ کے محاسن کا جامع اللہ جل جلالہ نے اپنے آخری نبی پر اپنی نعمتیں آخر کردیں۔ اور منادی کرادی کہ کوئی بھی ناواقف نہ رہے ''وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ''۔

اس آیت کریمہ کے نزول سے پہلے بنی اسرائیل میں سینکڑوں افراد کو نبی مانا گیا۔ مگر اس آیت شریفہ کے نزول کے بعد سارے مذاہب والوں کے دل و دماغ سے دعوائے نبوت کا سرور اتر گیا۔ حضرت عباس بن مرداس اسلمی فرماتے ہیں ؎

یَا خَاتِمَ النَّبَاءَ اِنَّکَ مُرْسَلٌ
بِالْحَقِّ کُلَّ ھُدَی السَّبِیْلِ ھَدَاکَا

☆☆☆

شخصیات

آہ حضرت مولانا سید شاہ علی ارشد شرفی

اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

سید نورالدین اصدق چشتی مصباحی

بہار شریف اپنی مردم خیزی کے اعتبار سے ایک تاریخی حیثیت کا حامل شہر ہے اس شہر کے علم و ادب کی تاریخ ایک ہزار سال پرانی ہے ایک طرف یہاں کے صاحبان علم و فضل اور اصحاب فہم و ذکاء کا وجود مسعود دنیا بھر کے ارباب علم و دانش کے لیے کشش کا سامان رہا تو دوسری طرف صاحبان ولایت کی فیض رسانی نے اس شہر کو مرکز عقیدت بنا دیا۔

اس باب میں سرکار مخدوم جہاں قدس سرہ اور حضرت مخدوم احمد چرم پوش قدس سرہ کی ذات والا صفات کو خصوص کا درجہ حاصل ہے۔ آپ ہی کے قدوم میمنت لزوم کی برکت تھی کہ تشنگان علوم و عرفان کشاں کشاں اس سرزمین کو آباد کرنے لگے۔ جس کی فہرست بہت طویل ہے۔ اور یہ ایک مستقل عنوان بھی ہے۔ تاہم دعوی کی دلیل کی صورت میں حضرت خواجہ مظفر بلخی، مخدوم زین بدر عربی، مخدوم حسین نوشہ توحید بلخی، مخدوم فرید الدین طویلہ بخش چشتی، اور مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمہ کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

میرے عہد طالب علمی تک بہار شریف میں نہایت ہی قابل قدر اور ذی وجاہت اشخاص کی ایک بڑی تعداد موجود تھی، جن کی زیارت وصحبت کا شرف مجھے حاصل ہے۔ ان کے اخلاق و اخلاص وقار و تمکنت اور خاندانی شرافت کا یہ عالم تھا کہ ہر عام وخاص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا اور اگر اہل ظرف ہوتا تو فیضیاب ہوئے بنا نہیں لوٹتا۔

حضرت مولانا ڈاکٹر سید شاہ علی ارشد شرفی البلخی رحمۃ اللہ علیہ اسی صف کی آخری کڑی اور نمونہ و یادگار تھے۔ بجا طور پر آپ کو نمونۂ سلف اور یادگار اسلاف کہہ کر یاد کیا جا سکتا ہے۔ حضور قبلہ والد گرامی مرتبت حضرت علامہ سید شاہ رکن الدین اصدق مدفیوضہ جو دو سالوں سے، زائد سے خود ذی فراش ہیں آپ کے وصال کی خبر پا کر بے چین ہو گئے فرمایا آہ! افسوس بہار شریف خالی ہو گیا، تو کبھی فرماتے ہیں خانقاہیں خالی ہو گئیں۔ اور کبھی فرماتے آپ کے اوصاف ولیاقت کا کوئی بدل نہیں بڑے ہی بڑوں کو پہچانتے ہیں۔ کام کرنے والے ہی کام اور کام کرنے والوں کی قدر جانتے ہیں۔ کیونکہ آپ کا بھی پانچ دہائیوں سے زائد کا عرصہ اسی دشت کی سیاحی میں صرف ہوا ہے۔

حضرت مولانا سید شاہ علی ارشد شرفی کی شخصیت جامع الصفات تھی۔ عاجزی، انکساری، ملنساری، اخلاق و اخلاص، خردنوازی، علم وحلم، عفوودرگزر، آپ کے وہ اوصاف ہیں جس نے آپ کو ہر عام وخاص، اور خرد و کلاں کے درمیان مقبول ومحمود بنا دیا تھا۔ یہ محض میرا دعوی نہیں بلکہ جن لوگوں کو آپ سے ملاقات وصحبت کا شرف حاصل رہا ہے یہ ان کا اعتراف بھی ہے۔

نہایت ہی نرم لب ولہجہ میں گفتگو فرماتے، خلاف مزاج باتوں کو ٹال دیتے اور بڑے پیارے انداز میں سرکار مخدوم جہاں یا کسی اور بزرگ کا واقعہ مجلس کے حسب حال بیان فرما کر اصلاح فرما دیتے۔

ایک مرتبہ میں اپنے چند رفقائے کار کے ساتھ حضرت سے ملاقات کی غرض سے گیا تھا، عرض مدعا کے بعد اجازت کا طالب ہوا، آپ نے فرمایا اتنی جلدی کیا ہے۔ پھر

ضیافت کے لیے کچھ لانے کا اشارہ فرمایا، میں نے عرض کیا حضرت رہنے دیا جائے، آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: کیوں رہنے دیا جائے، میں بیٹھ گیا لیکن میرے ساتھ آنے والے مولانا صاحب نے کچھ اس انداز میں معذرت کی جو مجھے بھی اچھا نہیں لگا اور حضرت کے چہرے کا رنگ بھی بدل گیا۔ آپ نے ان سے فرمایا بیٹھیے، نہ چاہتے ہوئے بھی وہ بیٹھ گئے۔ کچھ ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد آپ نے فرمایا: بابو! آپ جانتے ہیں؟ میں نے عرض کیا، حضور کیا؟ فرمایا سرکار محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ: جو شخص زندہ کی ملاقات کو گیا اور اس کے دسترخوان سے کچھ نہ چکھا، تو گویا اس نے مردوں کی زیارت کی، پھر نہایت شفقت سے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر تین بار فرمایا بابو میں مردہ ہوں، بولیے؟ میں شرم سے پانی پانی ہو گیا اور مولانا صاحب کو بھی کاٹو تو خون نہیں کی کیفیت تھی۔

یہ محض ایک مثال تھی ایسی بہت سی نصیحتیں رہ رہ کر میرے ذہن کے افق پر ابھر رہی ہیں۔ سر دست ایک مثال اور آپ کے نذر کیے دیتا ہوں۔ جب کبھی ملاقات کو حاضر ہوتا وقت رخصت فرماتے، آتے رہا کیجئے، دل لگتا ہے، اچھی باتیں ہو جایا کرتیں ہیں۔ ایک مرتبہ حضور قبلہ والد مد فیوضہ کے ہمراہ حاضر ہوا۔ بڑوں کے درمیان گفتگو ہوتی رہی اور میں بغور سن رہا تھا اسی دوران قبلہ والد صاحب نے فرمایا کہ آپ کے والد حضرت سید شاہ حکیم قسیم الدین احمد فردوسی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کو میں آتا تو گھنٹوں توجہ کے ساتھ گفتگو فرماتے، ذکر خیر کرتے، وقت رخصت کہتے، اس دور قحط الرجال میں کون ہے جس سے دل کی باتیں کی جائیں آپ آجاتے ہیں تو دل خوش ہو جاتا ہے۔ اژدہام کار نے بہت زیادہ صحت کا موقع نہیں دیا۔ حضرت مولانا علی ارشد صاحب جو تبسم کناں باتیں سن رہے تھے اچانک میری طرف توجہ فرمایا اور کہا سن رہے ہیں، آتے رہا کیجیے۔ اللہ اکبر کیا پیارا انداز تھا۔

آپ کی شفقت میرے ساتھ کچھ زیادہ ہی تھی اصل وجہ تو حضرت کو ہی معلوم لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں دو وجہ رہی ہوں گی میں اکثر کسی نہ کسی ضرورت کو لے کر آپ کی خدمت میں جاتا رہتا تھا اور ہر قسم کی باتیں دریافت کر لیا کرتا تھا خصوصاً سرکار مخدوم جہاں کے حیات اور ارشادات کے تعلق سے۔ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا خواجہ مظفر بلخی کو مطبخ کی لکڑی فراہم کرنے کی جو ذمہ داری دی گئی تھی اس کی کیا حقیقت ہے آپ نے فرمایا کسی کتاب میں نہیں دیکھا ہے، ہاں بڑوں کی زبانی آپ ہی کی طرح سنا ہے۔ لیکن یہ روایت کتابوں میں موجود ہے کہ حضرت خواجہ مظفر بلخی جب مخدوم جہاں کی خدمت میں حاضر ہوئے انھیں آپ کو پرکھنے کا خیال آیا اور علمی اعتراضات آپ کے سامنے رکھے حضرت مخدوم نے شافی جواب دیا لیکن آپ نے **لا نسلم** کہہ کر رد کرتے جاتے اور دوبارہ اعتراض کرتے اور مخدوم جواب دیتے اور خواجہ مظفر **لا نسلم** کہتے ہوئے پھر اعتراض کرتے مخدومنا پھر جواب دیتے آخر کار سر تسلیم خم کرنا ہی تھا سو کیا اور طالب بیعت ہوئے، تو حضرت مخدوم نے فرمایا جایئے! اب تک جو کچھ بھی پڑھا ہے سبقا سبقا پھر سے پڑھ کر آیئے آپ نے عرض کیا حضور کیوں؟ مخدوم نے فرمایا اب تک جو کچھ پڑھا ہے بحث و مناظرہ اور زور علم ظاہر کرنے کے لیے تھا، اب اللہ و رسول کی طلب و رضا کے لیے پڑھیے۔ یہاں یہ درس بھی ہمیں ملتا ہے کہ علم کا فقط حاصل کرنا کافی نہیں وہ باعث شرور و غرور بھی ہوتا ہے۔ علم ایک خاص مقصد کے تحت حاصل کرنا چاہیے اور وہ مقصد طلب مولیٰ، اطاعت رسول اور قرب الٰہی کا حصول ہونا چاہیے۔

اس ضمن میں میرے جد اعلیٰ حضور قطب عالم سیدنا خواجہ شاہ قیام اصدق الصادق الچشتی رضی اللہ عنہ کی بڑی

پیاری نصیحت ہے جو آپ نے اپنے بڑے فرزند حضرت سیدنا خواجہ شاہ شہود الحق چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے تحریر فرمایا ہے۔ جو ہم غلاموں کے لیے بھی درس عبرت ہے۔

''علم حاصل کرنے میں مشغول رہنا بہتر ہے۔ لیکن یاد خدا میں اوقات بسر کرنا اس سے زیادہ بہتر ہے۔ علم بقدر ضرورت ضروری ہے، اور اس سے زیادہ شرارت نفس اور غرور کا سبب بنتا ہے۔ ہر علم سے تھوڑی آشنائی چاہیے تا کہ مقولہ ''علم شئ به از جهل شئ'' (چیزوں کا جاننا اس کے نہ جاننے سے بہتر ہے) صادق آئے۔ ان شاء اللہ ملاقات کے وقت اس باب میں بہت کچھ کہا جائے گا'' (حیات اصدق، ترجمہ مکتوب، بست و دوم صفحہ ۱۴۱)

بہر حال آتے جاتے آپ سے ایسی قربت ہوگئی کہ آپ کے قریب تر ہو گیا۔ دوسری وجہ میری خاندانی نسبت رہی ہوگی کیونکہ آپ کو حضرت سیدنا خواجہ شاہ قیام اصدق قدس سرہ سے والہانہ عقیدت تھی اور اس عقیدت کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے والد کے نانا حضرت سرکار کے دست گرفتہ تھے اور آپ کے یہاں رفیق العلماء حضرت مولانا شاہ محمد رفیق قادری اسلام پوری رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے آپ کے دادا حضرت مولانا سید شاہ ابراہیم فردوسی رحمۃ اللہ علیہ کو اور ان کے واسطے سے، آپ تک سلسلہ اصدقیہ کی خلافت و اجازت پہنچی تھی۔ آپ نے مجھ ناکارے پر کرم فرماتے ہوئے بشمول سلسلۂ فردوسیہ کے متعدد سلاسل کی اجازت بھی مرحمت فرمائی ہے اس طرح آپ میرے شیخ الخلافۃ بھی ہیں۔ هل جزاء الاحسان الا الاحسان۔

ہر شخص کو اللہ تعالی نے جداگانہ کام کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ آپ بھی ایک کار خاص کے لیے بنائے گئے تھے۔ اور وہ بزرگوں کی تعلیم کو عام کرنا تھا۔ آپ اگر تقریر، جلسہ، سفر، تحریک و تنظیم اور عوامی شغل پیدا کرتے تو جو سرمایۂ گراں قدر چھوڑ کر رخصت ہوئے ہیں شاید کبھی ہمیں حاصل نہیں ہوتا۔ کچھ کم فہم بڑی آسانی سے کہہ گزرتے ہیں حضرت نے کچھ نہیں کیا، میں ان سے کہنا چاہتا ہوں، کہ حضرت نے وہ کر دیا ہے، جو ہم جیسوں سے کبھی نہیں ہوتا۔ سرکار مخدوم فرماتے ہیں کلمات مشائخ روئے زمین پر خدائی لشکر ہیں۔ اگر اس کا مطالعہ کرنے والا مرد ہوگا تو شیر مرد بن جائے گا۔ اور نامرد ہوگا تو مرد ہو جائے گا۔ لوگوں نے کسی بزرگ سے پوچھا اگر ایسا زمانہ آجائے بزرگان دین نایاب ہو جائیں اور ان کی صحبت میسر نہ ہو تو اس وقت ہم لوگ کیا کریں؟ انہوں نے فرمایا کہ ایسے وقت میں ان کی کتابوں کا ایک جز روزانہ پڑھ لیا کرو۔ (فوائد رکنی ص ۷۵، مترجم علی ارشد شرفی)

مذکورہ بالا سطور پر خود تبصرہ نہ کرتے ہوئے میں مناسب سمجھتا ہوں من وعن وہی تبصرہ درج کر دوں، جو حضور قبلہ والد مدفیوضہ نے آئینہ مخدوم جہاں میں فرمایا ہے۔

''مشائخ کے کلمات کو خدائی لشکر سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ سلطانی لشکر ان کے جسموں پر اپنے قبضہ و اختیار کا سکہ بٹھایا کرتا ہے۔ لیکن بزرگوں کے کلمات دلوں کی دنیا میں انقلاب برپا کر دیا کرتے ہیں۔ مجھے ایسے کئی آدمیوں سے سابقہ پڑا ہے۔ جنہوں نے یہ اعتراف کیا کہ میں ایک ماڈرن مسلمان تھا۔ مغربی طرز کی میری زندگی تھی مخدوم جہاں کی مکتوبات صدی کے مطالعہ نے میری زندگی کا رخ بدل دیا۔ یعنی خدائی لشکر کا جو کام تھا وہ کلمات مخدوم نے کر دکھایا۔ اسی لیے تو حضرت مخدوم یہ تنبیہ فرما رہے ہیں کہ مشائخ کی تصنیفات و مکتوبات کے مطالعہ کا معمول بھی ہرگز ہرگز ترک نہ ہونے پائے۔ آج ہماری کم نصیبی یہ ہے کہ بزرگوں کی کتابیں ہماری طبیعت پر بار ہیں۔ ناول اور افسانہ ہمیں محبوب ہیں'' (آئینہ مخدوم جہاں ص ۴۱۰)

مذکورہ سطور کے بعد میں نہیں سمجھتا ہوں کہ یہ بتانے

کی ضرورت باقی ہے کہ حضرت مولانا ڈاکٹر سید شاہ علی ارشد شرفی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا کارنمایاں انجام دیا ہے۔اور اس کی کیا اہمیت ہے۔اگر آپ ترجمہ کا دشوار کام نہ کرتے ہم کلمات مشائخ کے ایک بڑے ذخیرے سے محروم رہ جاتے۔کیونکہ ہمارے اکابرین کا علمی سرمایہ عربی و فارسی میں ہے جبکہ عربی مدرسہ کی زبان بن گئی ہے۔مجھے اس اعتراف میں کوئی تردد نہیں ہے کہ عربی ترجمہ وتالیف ہر فارغ التحصیل کے بس کا روگ نہیں۔رہی فارسی یہ تو اب مدرسہ سے بھی اٹھتی جارہی ہے الا ماشاءاللہ اب لے دے کے ہمارے لیے اردو ہی رہ جاتی ہے جو عوام وخواص کے لیے استفادہ کی راہ ہموار کرتی ہے۔آپ نے ۲۰/ سے زائد بزرگوں کی نایاب کتابوں کا ترجمہ فرما کر نفع خلق کے لیے عام فرمایا جس کی فہرست درجہ ذیل ہے۔

(۱)شرح آداب المریدین (مخدوم جہاں) جلد اول و دوم (۲) فوائد رکنی (مخدوم جہاں) (۳)خوان پر نعمت (مخدوم جہاں) (۴) مکتوبات بست و ہشت (۵)رسالہ ارشادالسالکین (۶) رسالہ ارشاد الطالبین (۷) ملفوظ الصفر (۸) اوراد خورد(۹) وصیت نامہ (حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی بنام مخدوم جہاں) (۱۰)رسالہ عینیہ یا تازیانۂ سلوک (حضرت امام غزالی بنام عین القضاۃ ہمدانی) (۱۱) مکتوبات حسین (مخدوم حسین نوشہ توحید بلخی) (۱۲)ضیاء القلوب (ملفوظ) مخدوم احمد چرم پوش) (۱۳) مناقب الاصفیا(مخدوم شاہ شعیب منیری) (۱۴) تحقیقات المعانی و مطلوب المبارک (مخدوم شیخ احمد آموں فردوسی) (۱۵)تفسیر زاہدی (سورہ فاتحہ) مخدوم بدر عالم زاہد) (۱۶) گنج لا یخفی (ملفوظ) مخدوم حسین نوشہ توحید) (۱۷) الاصول العشرہ (خواجہ نجم الدین کبری) (۱۸) مونس القلوب (مخدوم شیخ احمد لنگر دریا بلخی) (۱۹)شرف الانصاب (۲۰) مکتوبات مولانا مظفر بلخی غیر مطبوعہ ہے غالبا ایک مکتوب کا ترجمہ باقی ہے۔

اس کے علاوہ دو کتابیں اور آپ کے ترجمہ کے میز پر پائی جاتی تھی جس کا نام تذکرۃ الموتی والقبور ہے جو قاضی ثنا اللہ کا رسالہ ہے ۱۲۷۹/میں یہ کتاب طباعت پا کر منظر عام پر آئی تھی۔اس کتاب کا کتنا ترجمہ ہوا تھا معلوم نہیں۔اور دوسری کتاب مخزن الانساب ہے۔علاوہ ازیں درجن بھر مضامین،لوگوں کی کتابوں پر مقدمات اور تحریری خدمات ہیں۔آپ کی ذات مثل آفتاب تھی جو ہمیں کہہ رہی تھی ؎

سورج ہوں زندگی کی رمق چھوڑ جاؤں گا
میں ڈوب بھی گیا تو شفق چھوڑ جاؤں گا

عام طور ترجمہ پڑھنے میں وہ چاشنی نہیں ہوتی ہے جو اصل متن کے اندر پائی جاتی ہے۔لیکن آپ کے ترجمے کو پڑھتے چلے جایئے متن کی لذت ملتی ہے لگتا ہی نہیں ہے کہ یہ ترجمہ ہے۔ایسا اس وقت ہوتا ہے جب مترجم کو دونوں زبانوں میں یکساں ملکہ ہو۔بلاشبہ آپ کو فارسی زبان پر ایسا ہی ملکہ حاصل تھا جیسا اردو پر، ہاں نہایت صاف گوئی سے عربی حوالوں اور عبارتوں میں دشواری کا شکوہ برابر فرماتے تھے۔لگے ہاتھ آپ کے ترجمہ کا ایک نمونہ بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔

''۲۳/صفر ختم اللہ بالخیر والظفر اتوار کے دن آستانۂ بوسی کی سعادت نصیب ہوئی،حضرت مخدوم عظمہ اللہ اس روز ندی کے کنارے تشریف لے گئے تھے۔احباب مریدان اور غلامان ساتھ تھے،خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ کا دیوان بھی موجود تھا،اس بیچارے کو پڑھنے کا حکم ہوا۔جب اس شعر پر پہنچا جس کا مضمون تھا''جو دوست کی یاد کے ساتھ زندہ ہے اس کو موت نہیں''حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا: موت تو اس کے لیے ہے جو خدا کی یاد کے ساتھ زندہ نہیں ہے،اور جس کی زندگی اللہ کی یاد میں گزر رہی ہے اس کے لیے موت اور فوت کہاں، بزرگوں نے فرمایا ہے کے کہ:عوام تو یہ سمجھتی ہے کہ جب تک روح باقی ہے زندگی ہے اور جب

روح نکل گئی موت واقع ہو گئی۔حالانکہ یہ حیات و موت،حیات صغیر اور موت کبیر ہے۔لیکن خواص کے نزدیک حیات،موت کو قطع کرنے والی ہوتی ہے۔موت ایسی حیات کی ضد ہے جو حق سبحانہ وتعالی کے ساتھ زندہ وہ دوسری چیزوں سے مردہ ہوتی ہے'' **من اراد ان ینظر الی میت یمشي علی وجه الارض فلینظر الی ابن قحافه**'' (جو روئے زمین پر چلتے پھرتے مردے کو دیکھنا چاہتا ہے وہ ابن قحافہ یعنی ابوبکر صدیق کو دیکھے) میں اسی راز کو بتایا گیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ: یہ حدیث ''**الا ان اولیاء الله لا یموتون بل ینقلبون من دار الی دار**'' (بے شک اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ وہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہو جاتے ہیں) ایسے ہی لوگوں کے لیے ہے اور یہاں ملک الموت کا کوئی کام نہیں۔پھر یہ مصرعہ پڑھا ـــــ ع

کانجا ملک الموت نہ گنجد ہرگز

اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی کہ: خواجہ ابوتراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ نے جنگل میں کھڑے کھڑے جان جاں آفری کے سپرد کر دی اور اسی طرح آخر تک کھڑے رہ گئے جس طرح زندگی میں کھڑے رہتے۔مسافروں کی جب اس جنگل سے گزر ہوتی تو دور ہی سے آپ کی زیارت کرتے،ہیبت کے مارے کسی کو بھی آپ کے قریب آنے کی ہمت نہیں ہوتی''۔(ملفوظ الصفر مجلس ۲ر ص ۳۰)

آپ برابر علیل رہا کرتے تھے کئی مرتبہ علالت اتنی شدید ہوئی کہ لوگوں نے امید چھوڑ دیا لیکن کچھ دنوں بعد صحتیاب ہو کر قلم و قرطاس میں پھر سے مشغول پائے گئے۔اللہ کو آپ سے جس قدر کام لینا تھا لیا۔لیکن اس بار آپ کی علالت نے جاں بر نہ ہونے دیا۔چار ماہ سے زائد ذی فراش رہے دانہ پانی بند رہا،دن بھر میں دو یا تین بار پانی چڑھایا جاتا۔نقاہت کی بنا پر بات چیت بھی نہیں فرماتے۔ آخری وقت تک حواس سلامت رہے اس عالم میں بھی ہر آنے والے سے اشارے سے خیریت معلوم کرتے۔

میں بھی چند بار آپ کی عیادت کو حاضر ہوا ہر بار آپ نے اس عالم میں بھی اشارے سے حضور قبلہ والد مدفیوضہ کی خیریت دریافت فرمایا کرتے۔بالآخر ۱۳ر ذی الحجہ ۱۴۴۶ھ مطابق 10 جون 2025 بروز منگل داعی اجل کو لبیک کہا انا للہ و انا الیہ راجعون ـــــ آپ کے وصال کی خبر عزیزی حافظ محمد شارق اصدقی نے بذریعہ فون دی زبان گنگ اور مضطراب دل سے آواز آرہی تھی ؎

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

وصال سے سات آٹھ ماہ قبل اچانک اپنے صاحبزادے اور ایک رہنما کے ہمراہ والد صاحب کی عیادت کے غرض سے آستانہ چشتی چمن پیر بیگھہ شریف تشریف لائے تھے اتفاق سے بھائی جان سید سیف الدین اصدق چشتی بھی موجود تھے ہم دونوں سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا قدر کیجئے خدمت کیجئے ابھی وقت ہے نایاب ہیں کم یاب نہیں کہہ رہا ہوں نایاب،پھر شاد عظیم آبادی کا یہ مصرع پڑھا ـــــ ع

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

واقعی اس مصرعے کی مصداق آپ کی ذات بھی تھی اب کہاں سے لائیں آپ کی شفقت و محبت کی مجلس، صرف یادیں ہیں اور یادیں فقط۔

اللہ تعالیٰ آپ کے درجات کو بلند فرمائے اور جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے آپ کے فرزند ارجمند گرامی قدر سید شاہ احمد غزالی کو آپ کا سچا جانشین بنائے اور فیضان مخدوم جہاں سے مالا مال فرمائے آمین ؎

رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر و زبر
اب نہ دیکھو گے کبھی لطف شبانہ ہرگز

☆☆☆

نقدونظر

زبان خلق می گوید

نوٹ: اس کالم کے تحت شائع ہونے والی تحریروں سے ادارہ کا اتفاق ہونا ضروری نہیں.....ایڈیٹر

نقیب ملت بیرسٹر اسدالدین اویسی صاحب کے نام

ایک کھلا خط

از: سید سیف الدین اصدق چشتی

گرامی وقار جناب اسدالدین اویسی صاحب ——— السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ کرے آپ بخیر وعافیت ہوں —— ہندوستانی مسلمانوں پر برسوں سے مظالم کے پہاڑ توڑے جارہے تھے، ان کے ساتھ ناانصافیاں ہورہی تھیں، متعصّبانہ رویے کے وہ شکار تھے، اکثر مسلم نمائندوں کی زبانیں گنگ تھیں، قانون ساز اداروں میں مسلمانوں کے حق کی مضبوط آواز اٹھانے والا کوئی نہ تھا، ذرائع ابلاغ کی جانب سے بھی مکمل منفی تشہیر تھی۔ ان حالات میں اللہ جل شانہ نے قوم وملت کے حق میں مضبوط آواز بلند کرنے کے لیے ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ، قانون دان، دانشور اور مومنانہ صفات کے حامل شخصیت کا انتخاب کیا۔ جسے دنیا ''نقیب ملت بیرسٹر اسدالدین اویسی'' کہتی ہے۔ جس نے پوری طاقت سے امت مرحومہ کی آواز ہر محاذ پر اٹھائی، حق کا پرچم بلند کیا، دین کا دفاع کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت سے کھلواڑ کرنے والوں کو منھ توڑ جواب دیئے، مقدس مقامات کی حفاظت کے لیے کمر بستہ ہوا، مظلوموں کا صدائے درد دل بنا، ملت کی شیرازہ بندی کے لیے جان توڑ کوشش کی، اور جناب اقبالؔ کے اس شعر کا صحیح مصداق ٹھہرا۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

جی ہاں! یہ شخصیت آپ ہی کی ہے۔ آپ کی پُرعزم، مدلل اور دانشورانہ تقاریر نے باطل کے خیمے میں جہاں ہلچل مچادیا وہیں لاکھوں مظلوموں کے اندر ایک ڈھارس اور آس پیدا ہوئی۔ مسلمانوں کے ڈرائنگ روم میں ہونے والی درد کی صدا پارلیمنٹ میں گونجنے لگی، اسی وجہ کر آپ کے خلاف بہت پروپگنڈے بھی کیے گئے، باتیں بنائی گئیں، مجلس پر 'بی جے پی' کی بی ٹیم کا لیبل لگایا گیا، کہا گیا ان کی تقریروں سے غیروں کو فائدہ پہنچ رہا ہے، وہ متحد ہورہے ہیں، اور نہ جانے کیا کیا، مگر ایسے لوگوں کی ہر بات کا ہم جیسے آپ کے ہزاروں لاکھوں چاہنے والوں نے مسکت جواب دیا۔

مگر اب آپ کی حالیہ ''وطن پرستی'' کے حوالے سے سوشل میڈیا پر جس طرح کی باتیں شروع ہوئی ہیں وہ یقیناً تشویش ناک ہے۔ آپ کے چاہنے والے بھی خاموش ہیں یا پھر کنارہ کش ہورہے ہیں۔ آپ کے محبین کا کہنا ہے کہ معاملہ ''دیش بھگتی'' سے بڑھ کر ''مودی بھگتی'' تک پہنچ رہا ہے۔ ہم غیور ہندوستانی مسلمان ''دیش بھگت'' تو ہیں مگر ''مودی بھگت'' ہرگز نہیں ہوسکتے، اور نہ ہی کسی ایسے بھگت کی قیادت قبول کریں گے۔ ہندو پاک کے اس جنگ سے پہلے ہی بھاجپا حکومت زبردست

سوالوں کے گھیرے میں تھی، اس جنگ کے بعد تو مکمل ان کی قلعی کھل گئی ہے، اپوزیشن کے علاوہ سیکولر غیر مسلم اور کھلے دل و دماغ کے لوگوں نے ''مودی'' کو اس وقت نشانے پر رکھا ہوا ہے اور اس کی ناکامی پر سوال پہ سوال کر رہے ہیں مگر ہمیشہ مودی پر سوالوں کی بوچھار کرنے والا ''مرد مجاہد'' کہیں گم ہو گیا ہے!!۔ —— بے شک! وطن کی محبت ہمارے دین و ایمان کا حصہ ہے۔ اس مٹی کو سینچنے میں ہمارے بزرگوں کا خون جگر شامل ہے۔ قدم قدم پر یہاں ہمارے مقدس مقامات اور پُرکھوں کی نشانیاں موجود ہیں۔ اس لیے ہمارے رگ و ریشے میں اس کی محبت رچی بسی ہے ؎

دل سے نکلے گی نہ مر کر بھی وطن کی الفت
میری مٹی سے بھی خوشبوئے وفا آئے گی

لیکن محبّ وطن کہلانے کے لیے ہمیں کسی مسلم دشمن جماعت کو خوش کرنے اور ان سے سند لینے کی ضرورت نہیں ۔ ملک کے حقیقی غدار تو یہی آر ایس ایس، بھاجپائی ذہنیت رکھنے والے ہیں، جو ان عظیم محسنین کو بھی ماننے کے لیے تیار نہیں جنھوں نے اس ملک کی آزادی اور اس کی تعمیر و ترقی میں بیش قیمتی کردار ادا کیا اور اپنی جانیں تک قربان کر دیں۔ مسلمانوں کو آنکھیں دکھانے والے ملک کے یہ غدار تو اپنے ان مذہبی بھائیوں اور بہنوں پر بھی گندے اور گھناؤنے حملے کرنے سے باز نہیں آتے، جو امن و انصاف اور محبت و یکجہتی کی بات کرتے ہیں۔ جو قوم فخر ہندوستان ''کرنل صوفیہ قریشی'' جیسی عظیم خاتون پر بھدے تبصرے کر رہی ہو، وہ بھلا آپ کی کہاں ہونی والی ہے۔ ہاں! یہ ضرور ہو سکتا ہے کہ ان کو خوش کرنے میں آپ اس قدر آگے نکل جائیں کہ آپ کے لاکھوں چاہنے والے مسلمان آپ سے علاحدگی اختیار کر لیں، جیسا کہ اس کی شروعات بھی ہو چکی ہے۔ اس سے پہلے کہ ہاتھ سے سب کچھ نکل جائے آپ کو نوشتۂ دیوار پڑھ لینا چاہیے —— میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ سیاست کے اپنے انداز ہوتے ہیں، مجبوریاں ہوتی ہیں، کبھی اس طرح کا بھی دباؤ ہوتا ہے کہ جس کا ہم جیسے مولوی، مولانا اور عام عوام اندازہ بھی نہیں لگا سکتی، بلاشبہ ——ع

کنارے سے کبھی اندازۂ طوفاں نہیں ہوتا

جناب عالی! ایک بات میڈیا میں گردش کر رہی ہے کہ بھارتیہ حکومت کی جانب سے پاکستان کو گھیرنے کے لیے سات وفود ۳۲ ممالک کا دورہ کریں گے۔ ان وفود کے ۵۹ ارکان میں سے آٹھ سفارت کار اور ۲۱ بی جے پی لیڈر ہیں، جس کے آپ بھی حصہ ہیں۔ میری معلومات کے مطابق سات افراد پر مشتمل آپ کی ٹیم سعودی عرب، کویت، بحرین اور الجزائر کا دورہ کرے گی۔ جس کے مکھیہ بی جے پی ممبر آف پارلیمنٹ بیجینت پانڈے ہوں گے، جب کہ جھارکھنڈ کے گوڈڈا سے تعلق رکھنے والے متنازعہ بھاجپائی ممبر آف پارلیمنٹ نشی کانت دوبے ان کے نائب ہوں گے۔ اسی میں آپ کے ساتھ جموں و کشمیر کے سابق وزیر اعلیٰ غلام نبی آزاد صاحب بھی شامل ہیں۔ ہمیں اس مشن اور اس میں شامل دوسرے لوگوں سے نہ کوئی غرض ہے اور نہ کوئی دلچسپی۔ لیکن کچھ سوالات تو اس پر قائم ہوتے ہیں: —— مسلم ممالک کے دورے پر جانے والے تقریباً اس بھاجپائی وفد میں ایک عام نمائندہ بن کر آپ کا جانا کیا مناسب ہے؟

دنیا آپ کو ہندوستانی مسلمانوں کا ایک خاص نمائندہ اور قائد سمجھتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس حکومت نے اپنے

چہرے سے سیاہی پونچھنے کے لیے آپ کا انتخاب کیا ہے۔اس ڈیلی گیشن کے ساتھ آپ کا سفر کرنا ''مودی حکومت'' کے بھیانک جرائم کو کلین چٹ دینے کے مترادف ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ حب الوطنی کے نام پر ہم اپنے آستین کے سانپ کو بھول جائیں!! ـــــــ کیا وہاں جا کر آپ مودی حکومت کی ہر غلط پالیسی کی تائید کرنے پر مجبور نہیں ہوں گے؟

کیا آپ وہاں یہ کہہ سکیں گے کہ جہاں پاکستان کی طرف سے دہشت گردی ہو رہی ہے، وہیں ہمارے ملک میں بھگوا دہشت گردوں نے بھی آتنک مچا رکھا ہے؟۔ پہلگام میں جہاں لوگوں کو ان کا مذہب پوچھ کر مارا گیا ہے وہیں برسوں سے یہ کام یہاں ہندو آتنک وادی کرتے چلے آرہے ہیں۔ ہمارے بزرگوں کی وقف کی ہوئی جائیداد کو یہ حکومت ہڑپ کر لینا چاہتی ہے ـــــ آپ انھیں یہ بتا پائیں گے کہ ادھر سرحد پر جنگ ہو رہی تھی اور ادھر اس ناپاک حکومت نے ہمارے سینکڑوں پاک مقامات کو زمین دوز کر دیا؟۔ ہمارے یہاں روزانہ مسلمانوں کی ماب لنچنگ ہو رہی ہے، ان کے گھروں پر بلڈوزر چلائے جا رہے ہیں، سوشل بائیکاٹ کی مہم چل رہی ہے۔ اسلام اور مسلم مخالف قوانین کی ایک لمبی فہرست اس ''مودی حکومت'' نے اپنے میز پر سجا رکھی ہے، جسے یکے بعد دیگرے زمین پر اتارتی جا رہی ہے؟۔

کیا آپ یہ کہہ سکیں گے کہ مودی حکومت نے دو طرح کے قانون بنا رکھے ہیں، مسلمانوں کے لیے الگ اور ہندوؤں کے لیے الگ۔ مسلمانوں کو جھوٹے الزام میں پھنسا کر برسوں جیل میں ڈال دیا جاتا ہے اور ضمانت نہیں ملتی، دوسری طرف آر، ایس، ایس اور بھاجپا سے تعلق رکھنے والے ہندو گرفتار ہوتے ہیں تو حکومت، میڈیا، اندھ بھکتوں اور جھوٹے دیش پریمیوں کو سانپ سونگھ جاتا ہے۔ آخر کیوں؟ کیا یہ وطن سے غداری نہیں ہے؟ ـــــ جی ہاں! میں جانتا ہوں کہ یہ آواز وہاں کیا یہاں آکر بھی نہیں اٹھے گی، اگر اٹھی بھی تو اس آواز میں نہ جھنکار ہوگی اور نہ خلوص کی چمک۔ نہ اس کے سننے والے ہوں گے اور نہ کان دھرنے والے ـــــ محترم! یہ تحریر نہیں درد دل ہے، ہم اپنی آواز کو کھوتا ہوا دیکھ رہے ہیں، اپنی قیادت کی شکست نگاہوں کے سامنے ہے، ملت کا نقیب غلط سمت صدا لگاتا نظر آرہا ہے۔ خدارا! اب بھی وقت ہے واپس آجائیں، قوم کو آپ کی بہت ضرورت ہے، کمزوروں اور مظلوموں نے آپ سے بڑی امیدیں وابستہ کر لی ہیں، عوام آپ کو اسی پرانے رنگ میں دیکھنا چاہتی ہے۔ یہ صرف تنہا میرے جذبات نہیں بلکہ پوری ملت کی آواز ہے۔ میں نے صرف ان کی طرف سے نمائندگی کرنے کی ایک چھوٹی سی کوشش کی ہے۔ حیدرآباد کے آفس میں آپ سے ملاقات بھی ہوئی ہے اور سالانہ عید میلاد النبی ﷺ کے پروگرام میں مجلس کی دعوت پر دارالسلام میں اور کئی بار شہر کے مختلف پروگراموں میں بیانات ہوئے ہیں، شاید کہ آپ کو یاد ہو۔ اس تحریر کے کسی بھی جملے سے آپ کو کسی طرح کی تکلیف ہوئی ہو تو میں تہہ دل سے معذرت خواہ ہوں۔ یہ دشمنی نہیں بلکہ خلوص اور دوستی میں لکھی گئی تحریر ہے، ـــــ ع

نشتر جو لگاتا ہے وہ دشمن نہیں ہوتا

میرے محترم! ایک ذمہ دار خادم دین اور داعی الی الحق ہونے کے ناطے میں چند نصیحتوں اور دینی و شرعی نکات پر مشتمل اپنا ایک چھوٹا سا مضمون ''محبت دین اور حب الوطنی'' بھی ارسال کر رہا ہوں، برائے کرم اسے بھی ذرا وقت نکال کر ضرور پڑھ لیں گے۔

☆☆☆

قیامت کی دو اہم نشانیاں

محمد شہادت حسین فیضی

دین اسلام میں ایمان، تقویٰ، اخلاص اور اعتدال کو بنیادی صفات قرار دیا گیا ہے۔ شریعت نے ظاہر و باطن دونوں پہلوؤں کو اہمیت دی ہے، لیکن بنیادی اصول یہ ہے کہ کسی بھی عمل کی اصل قدر و قیمت اس کی نیت، اخلاص اور ترجیحات میں توازن کے ساتھ ہے۔ یہی اصول مساجد کی تعمیر و تزئین اور دیگر دینی امور میں بھی رہنمائی کرتا ہے۔

حسنِ تعمیر اور زیبائش خود شریعت میں ممنوع یا ناپسندیدہ نہیں، بلکہ جب معاشرہ اپنے فرائض، دین کی ضروریات اور اصل تقاضوں کی تکمیل کر رہا ہو تو ایسے مستحب اور تزئینی کام باعثِ اجر و سعادت ہیں۔ لیکن یہ اس وقت متوازن ہے جب کمیونٹی کی اصل دینی فرائض، اخلاقی اور تعلیمی ضروریات اور ترجیحات پسِ پشت نہ ڈال دی جائیں۔ مثال کے طور پر، اگر نمازیوں کی تعداد کم ہے، ائمہ و مؤذنین کی ضروریات اور حقوق پورے نہیں ہو رہے، غریب و نادار مسلمانوں کا خیال نہیں رکھا جا رہا، دینی تعلیمات کمزور ہیں اور اصلاحِ اخلاق پر محنت نہیں ہو رہی تو محض ظاہری خوبصورتی پر زور دینا ہرگز مناسب نہیں۔

سیرتِ نبوی ﷺ پر غور کریں تو یہ بات بالکل نمایاں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب مدینہ منورہ میں اسلامی معاشرہ تشکیل دیا تو سب سے پہلی توجہ شخصیت سازی، عدل و انصاف کے قیام اور اخلاق کی اصلاح پر دی۔ حضورِ اکرم ﷺ کو اقتدار و اختیار ملا، مگر آپ نے نہ کبھی عالی شان محل بنایا، نہ شاہی انتظامات قائم کیے، نہ حکومتی اندازِ حکمرانی کے دنیاوی پیمانے اپنائے۔ مسجدِ نبوی ﷺ کی تعمیر بھی سادگی کا نمونہ تھی، اور اس کی چھت کھجور کی پتیوں سے بنی تھی۔ سہولت اور سادگی کا یہ منظر خود احادیث میں محفوظ ہے ـــــ عن أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضي الله عنه قال: جَاءَتْ سَحَابَةٌ فَمَطَرَتْ حَتَّى سَالَ السَّقْفُ، وَكَانَ مِنْ جَرِيدِ النَّخْلِ، فَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَسْجُدُ فِي الْمَاءِ وَالطِّينِ حَتَّى رَأَيْتُ أَثَرَ الطِّينِ فِي جَبْهَتِهِ (صحيح البخاري: ۶۳۸) ـــــ ترجمہ: ایک بادل آیا اور بارش ہوئی، حتی کہ مسجد کی چھت (جو کھجور کی شاخوں کی بنی تھی) ٹپکنے لگی۔ نماز قائم ہوئی تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو پانی اور کیچڑ میں سجدہ کرتے دیکھا، حتی کہ آپ کی پیشانی پر کیچڑ کا نشان دیکھا ـــــ عن عبدِ اللهِ بنِ أنيسٍ رضي الله عنه قال: أُرِيتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ، ثُمَّ أُنْسِيتُهَا، وَأَرَانِي صُبْحَهَا أَسْجُدُ فِي مَاءٍ وَطِينٍ، فَمُطِرْنَا لَيْلَةَ ثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ، فَصَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَانْصَرَفَ وَإِنَّ أَثَرَ الْمَاءِ وَالطِّينِ عَلَى جَبْهَتِهِ وَأَنْفِهِ (صحيح مسلم: ۱۱۶۸) ـــــ قال أبو سعيد: فَأَبْصَرَتْ عَيْنَايَ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَعَلَى أَنْفِهِ وَجَبْهَتِهِ أَثَرُ الْمَاءِ وَالطِّينِ صَبِيحَةَ إِحْدَى وَعِشْرِينَ (السُّنن الكبرى للبيهقي: ۲۶۵۱) ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی، پھر بھلا دی گئی، اور اس کی صبح میں مجھے پانی اور کیچڑ میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا گیا۔ تیئسویں رات بارش ہوئی، آپ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی، اور جب واپس لوٹے تو پیشانی اور ناک پر پانی و کیچڑ کے نشان تھے۔ (بابُ تَرْكِ مَسْحِ الْجَبْهَةِ بَعْدَ التَّسْلِيمِ السُّنن الكبرى للنسائي: ۱۱۳۶)

ان تمام روایات سے واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اصل توجہ ظاہر پر نہیں، بلکہ عبادت میں خشوع، سادگی اور اخلاص پر دی۔ مسجد کی ظاہری تزئین اگر اصل مقصد اور ضرورتوں کے بعد ہو تو باعثِ اجر ہے؛ بصورتِ دیگر یہ ترجیح دینا باعثِ نقصان و محرومی بھی بن سکتا ہے۔

حالاتِ حاضرہ خصوصاً بھارتی دیہی مسلمانوں کے ماحول میں مشاہدہ کیا جائے تو تعمیراتِ مساجد، مینار و محراب کی زیبائش اور دوسری طرف دین کے نام پر بے سود جلسے اور اعراس پر بہت مالی وسائل خرچ ہو رہے ہیں؛ جبکہ راست دینی اور اصلاحی مقاصد اکثر نظر انداز کر دیے جاتے ہیں۔ مستحب امور پر اس قدر زور و شور ہے کہ فرائض اور ضروریات کمزور یا نظر انداز ہو چکے ہیں ـــــ یہ صورتحال نبی اکرم ﷺ کے اس تربیتی اسلوب سے مختلف ہے جہاں مسجد کی تعمیر سے بڑھ کر نمازیوں کی تعمیر کو فوقیت دی گئی۔ روحانی صفائی، اجتماعیت، تعلیمِ قرآن، اخلاقِ فاضلہ، قیام عدل و انصاف، تعلیم و تدریس اور تربیت کے شعبے ترجیحات میں رہے ہیں ـــــ اب اس ضمن میں علماء و مفتیانِ کرام سے نہایت ادب سے سوال ہے کہ اگر کوئی ایک سادہ مٹی کی مسجد ہو، دوسری مضبوط سیمنٹ کی، تیسری عالی شان قالین و سنگ مرمر اور قمقموں سے آراستہ ہو، تو سب سے زیادہ فضیلت کس میں؟ ـــــ ناچیز کی رائے میں تو اصل فضیلت اس جگہ ہے جہاں خلوص، عاجزی، جماعت کا اہتمام، قلبی خشوع اور فقر کا اثر ہو۔ جس جگہ سجدے کا نشان پیشانی پر باقی رہ جائے، جیسا کہ ''من أَثَرِ السُّجود'' سے بھی اشارہ ملتا ہے۔ اور روایت میں ہے کہ ان نمازیوں کے لیے جن کی پیشانی پر سجدے کے غبار ہوں، جب تک غبار ہو، فرشتے ان کے لیے مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں ـــــ دوسری غلط ترجیح: دوسری طرف، ہمارے معاشرے میں بے سود جلسے، جلوس اور اعراس جیسی رسوم زیادہ رائج ہو گئی ہیں بلکہ فرائض و ترجیحات پر غالب ہیں ـــــ ذرا اس عہدِ پرفتن کے رنگین دھوکے پر غور کیجیے۔ ابھی کچھ دن پہلے ہمارے علاقے میں ایک جلسہ ہوا، جس پر اندازاً دس لاکھ روپے بہا دیے گئے۔ غالباً یہ عظیم الشان منصوبہ اس طرح رچا گیا ہوگا کہ امام صاحب کے پاس ایک جوشیلے نوجوان نے آکر عرض کیا ہوگا: ''حضور! ایک ایسا جلسہ ہونا چاہیے کہ پورے ضلعے میں گونج اٹھے، گاؤں کا نام روشن ہو جائے!'' چنانچہ مقامی کمیٹی، امام صاحب، نوجوانانِ ملت اور قرب و جوار کے علما سب شریکِ مشورہ و مصرف ہوئے، طوعاً کرھاً ٹارگیٹڈ بجٹ سمیٹا گیا ہوگا۔ مقصد؟ بس نام، شہرت، تعریف اور داد! خطیب، نقیب، شاعر اور پیرانِ کرام ہر سُو سے آئے، لیکن نیتیں اکثراً ''نذرانے'' اور ''لفافے'' کی تھیں ـــــ سامعین بھی کچھ کم نہ تھے۔ مرد، عورتیں سب آئے، مگر جذبہ؟ صرف یہ کہ ''فلاں صاحب کی تقریر سننی ہے''، یا ''نعت کیسے پڑھتے ہیں دیکھیں!''

کاش کہ میرا یہ اندازہ غلط ہو! کاش کوئی ایک بھی ایسا نکلے جو اخلاص، للّٰہیت اور دین سیکھنے کے شوق سے آیا ہو۔ لیکن اگر یہ گمان درست ہے... تو پھر یاد رکھیے! وہ گھڑی قریب ہے جس کی خبر سرورِ کائنات ﷺ نے دی تھی قیامت نزدیک ہے! حدیث پاک: يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَّا اسْمُهُ، وَلَا يَبْقَى مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا رَسْمُهُ، مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدَى، عُلَمَاؤُهُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ، مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيهِمْ تَعُودُ (شعب الایمان: ۳/۳۱۷) ـــــ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: عنقریب لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ اسلام میں صرف اس کا نام باقی رہ جائے گا، قرآن میں صرف رسم و خط باقی رہ جائے گا، ان کی مسجدیں بظاہر آباد ہوں گی مگر ہدایت سے خالی ہوں گی، ان کے علماء آسمان کے نیچے کی مخلوق میں سب سے بدتر ہوں گے، انہی سے فتنہ پیدا ہوگا اور انہی میں واپس لوٹ آئے گا ـــــ اسی طرح: السُّنَّةُ فِيهِمْ بِدْعَةٌ وَالْبِدْعَةُ فِيهِمْ سُنَّةٌ۔ (الکامل لابن عدی) سنت ان کے لیے بدعت اور بدعت ان کے لیے سنت بن جائے گی ـــــ ایک روایت ہے کہ: أَتَى عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ هَمُّهُمْ بُطُونُهُمْ وَشَرَفُهُمْ مَتَاعُهُمْ وَقِبْلَتُهُمْ نِسَاؤُهُمْ وَدِينُهُمْ دَرَاهِمُهُمْ (مسند الفردوس للدیلمی) یعنی ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ

لوگوں کی قدر و وقعت مال و دولت اور کھانے پینے تک محدود رہے گی، قبلۂ زندگی عورتیں ہوں گی اور دین فقط دنیاوی منفعت تک رہ جائے گا ـــــ ان سب مثالوں، احادیث اور معاشرتی پہلوؤں سے آج یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ تزئین مسجد و دینی عمارت و اعراس وغیرہ کوئی حرام یا مطعون کام نہیں، بلکہ اگر اصل دینی ترجیحات مضبوط ہوں تو یہ بھی باعثِ اجر ہیں، لیکن اگر فرائض اور ضروری حقوق نظر انداز ہو جائیں تو پھر یہ ترجیحات تبدیلی کی متقاضی ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ ہمیں اس بات کی توفیق دے کہ ہم شریعت کی اصل روح کو سمجھیں، اپنی ترجیحات کو درست رکھیں اور ظاہری کاموں کے ساتھ اصل دینی ضرورتیں، ایمانی صفائی اور معاشرتی فلاح کو کبھی نہ چھوڑیں۔ آمین۔

دور پُرفتن کا سامنا کیسے ہو؟

غلام مصطفیٰ رضوی نوری مشن مالیگاؤں

حالات کی نزاکت اہلِ فہم پر مخفی نہیں؛ ہر سُو نفرتوں کے بازار گرم ہیں؛ شوکتِ اسلامی کی بحالی کے لیے ایک راہ بچی ہے؛ وہ حصولِ علم کی ہے؛ جس کا بنیادی مصدر علومِ اسلامیہ ہیں۔ جس کے ذریعے بلند چوٹیوں پر کامیابیوں کے پھریرے لہرائے جا سکتے ہیں۔ ہمیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنا چاہیے ـــــ پروفیسر مولانا سید سلیمان اشرف اصدقی بہاری (سابق سربراہ اسلامک اسٹڈیز، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) مسلمانوں کے لیے بیداری کا پیغام دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کاش! اب بھی مسلمان بیدار و متنبہ ہوں، اور ان متبرک ہستیوں کے سینہ میں جو زر و جواہر کا خزینہ مکنون ہے اور وہ صرف انھیں مسلمانوں کی بے بہا میراث ہے، اسے تہ خاک ہونے سے بچالیں، تو ان کی قومیت کچھ دنوں تک اور بھی بقا کا فیض پا سکے گی۔ ورنہ جب یہ آفتاب غروب ہو جائے گا تو پھر تاریک شب کی سیاہی مسلمانانِ ہند کی قومیت پر ایسی چھا جائے گی کہ چراغ و شمع کا تو کیا ذکر برقی روشنیاں بھی ان کے خط و خال اور شکل و صورت کو عیاں نہ کر سکیں گی، یہ ایک ایسا خطرہ ہستی سوز ہے جسے ہر ذی فہم نے محسوس کیا ہے۔'' (السبیل، ص ۱۸۔۱۹)

پروفیسر موصوف نے جھنجھوڑا ہے؛ خواب سے بیدار کیا ہے؛ ایسے وقت میں جب کہ ملک پر انگریز قابض تھے؛ مذہبی روایات کو کچلا جا رہا تھا؛ شعار اسلامی پر حملے تھے؛ اعلیٰ حضرت اور ان جیسے علماے حق چاہتے تھے کہ مسلمان شمعِ علم دین سے استفادہ کر کے کامیابیوں کے اُجالے پھیلائیں؛ یہی رخ اصدقی پروفیسر مولانا سید سلیمان اشرف بہاری نے مذکورہ اقتباس میں اُجاگر کیا ہے۔ آج کے حالات ایک صدی قبل جو حالات تھے اُس سے زیادہ نازک ہیں؛ ضرورت تدابیر اختیار کر کے اپنے دین و ایمان کے تحفظ کی ہے۔

درسِ نظامی کے طلبہ LLB کیوں کریں؟ وقت کی اہم ترین دعوتِ فکر

ہمارے مدارس صدیوں سے دین کا قلعہ اور علم کا سرچشمہ رہے ہیں۔ یہاں کے طلبہ علمِ قرآن، حدیث، فقہ، اور عقائد میں مہارت حاصل کرتے ہیں۔ مگر آج کا دَور صرف منبر و محراب کا نہیں، ریاست، عدالت، اسمبلی، اور آئینی اداروں میں بھی دین کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔

اسی لیے وقت کی اہم ترین علمی دعوت یہ ہے کہ: طلبۂ درسِ نظامی، LLB کی طرف آئیں! کیوں ضروری ہے کہ ایک

عالم دین قانون پڑھے؟ تاکہ نکاح، طلاق، وراثت، وقف، سود، قادیانیت، حدود وتعزیرات جیسے اہم مسائل کو عدالت میں شرعی انداز میں پیش کر سکے، تاکہ شریعت کے نام پر عدالت میں جو استدلال ہو رہا ہے، اس کا علمی وفقہی تجزیہ کر سکے، تاکہ محض فتوے نہیں، بلکہ ریاستی قانون کی تشکیل میں بھی دینی اثر پیدا کیا جا سکے — اب LLB پہلے سے بہت آسان ہو چکا ہے!

(۱) انٹرمیڈیٹ کے بعد براہِ راست داخلہ ممکن ہے — (۲) LLB کی مدت باقاعدہ طور پر 5 سال سے کم کر کے 4 سال کر دی گئی ہے — (۳) ایکسپیکٹڈ ہے کہ جلد عمر کی بالائی حد بھی ختم کر دی جائے گی — (۴) داخلہ کا نظام سہل اور آن لائن ہو چکا ہے — یہ ان ہزاروں علمائے کرام اور طلبۂ دین کے لیے سنہری موقع ہے جو دین کے ساتھ قانون بھی پڑھنا چاہتے ہیں — قانون کی شاخیں: دینی طلبہ کس میدان میں جا سکتے ہیں؟ — حدود، توہین رسالت، قادیانی فتنہ: Criminal Law — نکاح، طلاق، خلع، وراثت: Family Law — شریعت کورٹ، فتویٰ، اسلامی دفعات: Islamic Law — مذہبی آزادی، اقلیتوں کا تحفظ: Human Rights — آئینی دلائل، مذہبی دفعات: Constitutional Law — جج، مجسٹریٹ، پالیسی ساز: Civil Service/ Judiciary — اسلامی قانون سازی میں شمولیت: Parliament/Legal Drafting

مستقل علمی مجلہ کی تجویز — ایسے علما جو قانون بھی جانتے ہوں، ان کی نگرانی میں ایک تحقیقی میگزین ہونا چاہیے جو: اعلیٰ عدالتوں کے فیصلوں کا شرعی تجزیہ کرے شریعت کی روشنی میں ججوں کے استدلال کی درستی یا اصلاح کرے عوام کو بتائے کہ عدالتیں قرآن وسنت سے ہم آہنگ فیصلے کر رہی ہیں۔ یہ مجلہ عدالت، عوام اور علماء، تینوں کے درمیان علمی ربط کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

چند عملی تجاویز — مدارس دینیہ LLB کے لیے طلبہ کی رہنمائی کریں، CSS/PCS میں علماء کی شرکت کو فروغ دیں، ''عالم+قانون دان'' ماڈل کو اجتماعی سطح پر عام کیا جائے ''فقہ وقانون'' کا امتزاجی کورس مدارس وجامعات میں متعارف کروایا جائے، ایک اسلامک لاء ریسرچ انسٹیٹیوٹ کا قیام عمل میں لایا جائے۔

آخری پیغام — فتویٰ سے آگے بڑھ کر فیصلے کی میز تک آئیں!، دین کی رہنمائی صرف خطبہ نہیں، قانون سازی میں شمولیت بھی ہے!، وقت ہے کہ عالمِ دین وکیل بھی ہو، محقق بھی، اور معاشرے کا راہبر بھی! — درسِ نظامی + LLB = عصرِ حاضر کا مؤثر عالم — علمائے کرام، مدرسین، طلبہ اور دینی حلقوں تک یہ دعوتِ عمل ضرور پہنچائیں، قلم اور عدالت، دونوں دین کے خادم بنیں!

علمی پوسٹیں اور سوشل میڈیا کا المیہ

شمس الزماں خان صابری، ناگپور

آج کا دور فکری زوال اور جذباتی ہنگامہ خیزی کا دور ہے۔ سوشل میڈیا جہاں علم پھیلانے کا ایک بے مثال ذریعہ بن سکتا تھا، وہیں یہ فتنہ وانتشار کا اڈہ بنتا جا رہا ہے — جب ہم کوئی علمی پوسٹ، کوئی تحقیقی مضمون یا کسی عالمِ دین کی سنجیدہ علمی گفتگو شیئر کرتے ہیں، تو اکثر دیکھتے ہیں کہ اس پر لوگوں کا رجحان بہت کم ہوتا ہے۔ نہ لائکس، نہ کمنٹس، نہ شیئرز۔ لیکن جب کوئی پوسٹ کسی کے خلاف ہو، چاہے وہ الزام ہو یا طعن، تو اس پر ہزاروں لوگوں کا ہجوم نظر آتا ہے۔ کوئی شیئر کر رہا ہے، کوئی دفاع، کوئی حملہ، اور کوئی تماشائی! — سوچیے! ہمیں علم سے زیادہ ''لڑائی'' کیوں پسند ہے؟ ہم اصلاح سے زیادہ فساد کی باتوں میں کیوں دلچسپی لیتے ہیں؟ — سچ یہ ہے کہ: علمی پوسٹس خاموشی سے دلوں میں اُترتی ہیں، شور نہیں کرتیں، علمی ویڈیوز

لوگوں کے مزاج کو سنوارتی ہیں، محض جذبات کو بھڑکاتی نہیں۔ علم، تفرقے سے نجات دلاتا ہے، نیا فتنہ کھڑا نہیں کرتا۔ علم روشنی ہے، اور روشنی سکون دیتی ہے، جلانے نہیں آتی ـــــ سلفِ صالحین کا طرز ـــــ اگر ہمارے اسلاف بھی صرف مناظروں، الزامات، اور مخالفتوں میں الجھتے تو آج ہمارے پاس کوئی کتبِ حدیث، تفاسیر، فقہی ذخائر یا سیرتِ طیبہ نہ ہوتی۔ انہوں نے قلم اٹھایا، علم لکھا، کتابیں چھوڑیں، اور امت کو فکری سرمایہ عطا کیا ـــــ اب ہمیں فیصلہ کرنا ہے: ہم فیس بک پر: ایک دوسرے کو سنوارنے والے بنیں؟ یا صرف ایک دوسرے کو گرانے والے؟ علم انبیاء کی وراثت ہے اور علماء انبیاء کے وارث ہیں اگر ہم علم کو اپنائیں گے، سنجیدہ تحریروں کو اہمیت دیں گے، دلائل سے بات کریں گے، تو یہ سوشل میڈیا خود ایک آن لائن درسگاہ بن جائے گا۔ ورنہ یہ فساد، الزام تراشی، اور دل شکنی کا میدان ہی بنا رہے گا ـــــ احباب سے گزارش: اگلی بار جب کوئی علمی پوسٹ دیکھیں، تو اسے پڑھیں، اگر سمجھ نہ آئے تو سیکھنے کی نیت سے کریں شیئر کریں تاکہ علم عام ہو اور اگر اختلاف ہو بھی تو ادب کے دائرے میں رہ کر اظہار کریں ـــــ آیئے! ہم سوشل میڈیا پر علم و اخلاق کا پرچم بلند کریں، تاکہ دنیا ہمیں ایک باوقار امت کے طور پر پہچانے، نہ کہ طعن و تشنیع کی منڈی سمجھ لے

ایران کا سپورٹ کیوں؟؟

شاہد سعدی

ایران اسرائیل کے بیچ جاری محاذ آرائی میں ایران کی جانب سے اسرائیل کے خلاف جو جرأت مندانہ پیش قدمی دیکھنے کو ملی، وہ یقیناً قابلِ تحسین ہے۔ اس نے امت مسلمہ کے دلوں میں ایک نئی امید، غیرت اور بیداری کی لہر پیدا کر دی ہے۔ دشمن کے خلاف اسی جرأت، حمیت اور استقلال کو دیکھتے ہوئے حالیہ دنوں میں ہم نے اپنی ایک آدھ کلپ میں ایران کے لئے کچھ تعریفی کلمات کہے ہیں جسے سن کر میرے ایک جاننے والے بھائی نے لکھا: ـــــ اب جا کر ہمارے علماء کو شیعہ کے خلاف سوار نشہ کچھ حد تک اترنا شروع ہوا ہے۔ ـــــ اس پر میرا جواب ملاحظہ فرمائیں: ـــــ ''سر ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کوئی شیعہ ہو یا سنی، اگر کسی کے عقائد و نظریات قرآن و سنت کے خلاف ہوں تو وہ غلط ہی کہلائیں گے، اور اہلِ حق کا فریضہ ہے کہ وہ ہمیشہ حق کو حق اور باطل کو باطل کہیں، کسی مصلحت یا مداہنت کے بغیر ـــــ مگر فی الحال ایران اور اسرائیل کے درمیان جو محاذ آرائی چل رہی ہے، وہ عقائد و نظریات کا مسئلہ نہیں بلکہ ایک سیاسی، جغرافیائی اور عالمی طاقتوں کے درمیان مفادات کا تصادم ہے۔ یہ ایک صہیونیت اور مظلوم امت کا مسئلہ ہے، نہ کہ فقہی یا مسلکی اختلاف کا۔ ہمیں دو باتوں میں توازن رکھنا ہوگا: ـــــ عقائد کی اصلاح کا فریضہ ہمیشہ باقی رہے گا، جو بات قرآن و سنت کے خلاف ہو، اسے رد کرنا ایمان کا تقاضا ہے۔ لیکن امت کے اجتماعی مفادات، قبلہ اول، مظلوم مسلمانوں اور ظالموں کے خلاف جدوجہد میں ہمارا اتحاد لازم ہے۔ اگر ہم اس وقت بھی مسلکی لڑائی میں الجھے رہے تو دشمن کی چال میں پھنس جائیں گے، اور امت مزید کمزور ہوگی۔ دانشمندی یہی ہے کہ ہر بات کو اس کے وقت پر کہا جائے، ہر قدم کو اس کے مقام پر رکھا جائے۔

لہٰذا: ہم عقائد میں سچائی پر قائم رہیں گے۔ مگر سیاسی و عالمی معاملات میں مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کو مقدم رکھیں گے۔

☆☆☆

محبت رسول اور اس کے عملی تقاضے

از: سید سیف الدین اصدق چشتی، ڈائرکٹر تحریک پیغام اسلام، جمشید پور

اللہ رب العالمین کے بعد جس ہستی کا ہم پر سب سے زیادہ احسان ہے، وہ محسن انسانیت، رحمت عالم حضرت محمد ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی محبت دین اور ایمان کی بنیاد ہے۔ اسلام کی تعلیم، قرآن کی دعوت اور خدا کا صحیح تصور یہ سب کچھ ہمیں نبی رحمت ﷺ کی وساطت سے ہم تک پہنچا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ ''آپ کو خدا زیادہ پیارا ہے یا محبوب خدا؟ آپ نے فرمایا: محبوب خدا ﷺ کیوں کہ ہم نے خدا کو ان ہی کے ذریعہ پایا ہے، وہ آئے تو خدا ملا، ورنہ وہ ازل سے موجود تھا۔

حب نبوی ﷺ قرآن وحدیث کی روشنی میں:

حضور نبی اکرم ﷺ کی شان وعظمت، مقام محبوبیت، پیروی واطاعت، شفاعت وبرکات اور وہ خصوصیات جو باری تعالیٰ کی جانب سے قرآن کریم میں بیان کی گئی ہیں بے شمار ہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کی مکمل ذات ہی سراپا قرآن ہے۔ حضرت اقبالؔ نے حق کہا ہے ؎

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل، وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

اس لیے صرف چند آیات بطور تمثیل پیش کی جاتی ہیں تاکہ مقام مصطفیٰ اور محبوبیت رحمت عالم ﷺ کا کچھ اندازہ ہو سکے۔

(۱) قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (آل عمران: ۳۱) (اے حبیب!) آپ فرمادیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنالے گا اور تمہارے لیے تمہارے گناہ معاف فرما دے گا، اور اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے۔

(۲) مَّنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا (النسا: ۸۰) جس نے رسول (ﷺ) کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ (ہی) کا حکم مانا، اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔

(۳) قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُواْ حَتَّى يَأْتِيَ اللهُ بِأَمْرِهِ وَاللهُ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (التوبہ: ۲۴) (اے نبی مکرم!) آپ فرما دیں: اگر تمہارے باپ (دادا) اور تمہارے بیٹے (بیٹیاں) اور تمہارے بھائی (بہنیں) اور تمہاری بیویاں اور تمہارے (دیگر) رشتہ دار اور تمہارے اموال جو تم نے (محنت سے) کمائے اور تجارت وکاروبار جس کے نقصان سے تم ڈرتے رہتے ہو اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو، تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکمِ (عذاب) لے آئے، اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا۔

(۴) لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيْرًا الاحزاب: ۲۱

فی الحقیقت تمہارے لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات) میں نہایت ہی حسین نمونہ (حیات) ہے ہر اُس شخص کے لئے جو اللہ (سے ملنے) کی اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔

مسلمانوں کا نبی کریم ﷺ سے جو تعلق ہے، وہ تعلق تمام دوسرے انسانی تعلقات سے بالاتر ہے۔ دنیا کا کوئی رشتہ اُس رشتے سے اور کوئی تعلق، اس تعلق سے جو نبی کریم ﷺ اور اہل ایمان کے درمیان ہے، ذرہ برابر بھی کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ نبی کریم ﷺ مسلمانوں کے لیے ان کے ماں باپ سے بھی بڑھ کر شفیق ورحیم اور ان کی اپنی ذات سے بڑھ کر خیر خواہ ہیں، لہٰذا وہی سب سے زیادہ قریب بھی ہیں یہاں تک کہ جان سے بھی زیادہ قریب، حق دار اور ولی بھی ہیں۔

سورہ احزاب کی آیت نمبر ۶ / میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَ اَزۡوَاجُہٗۤ اُمَّہٰتُہُمۡ ''یعنی یہ نبی (مکرّم) مومنوں کے لیے اُن کی جانوں سے زیادہ قریب اور حق دار ہیں اور آپ کی ازواج (مطہّرات) اُن کی مائیں ہیں''۔

ایک مسلمان پر دوسروں کے جو حقوق ہیں انہیں ادا کرنے کے حوالے سے دیگر تمام انسانوں کے مقابلے میں رسول کریم ﷺ زیادہ قریب ہیں، اس آیت کریمہ کی مزید وضاحت مندرجہ ذیل روایت سے ہوتی ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سید المرسلین ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں دنیا اور آخرت میں ہر مومن کا سب سے زیادہ قریبی ہوں، اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: النَّبِیُّ أَوۡلَی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ أَنۡفُسِہِمۡ، تو جس مسلمان کا انتقال ہو جائے اور مال چھوڑے تو وہ اس کے عصبہ (یعنی وارثوں) کا ہے اور جو قرض یا بال بچے چھوڑ جائے تو وہ میرے پاس آئیں کہ میں ان کا مددگار رہوں۔ (صحیح بخاری: ۲۳۹۹)

دوسرا حکم جو مذکورہ آیت کریمہ میں بیان کیا گیا اس کا تعلق امہات المومنین سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق حضور ﷺ کی تمام بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں، لہٰذا امہات المومنین کی تعظیم وحرمت میں اور ان سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہونے میں وہی مقام ہے جو سگی ماں کا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: أَنَا أَوۡلَی بِکُلِّ مُؤۡمِنٍ مِنۡ نَفۡسِہٖ ''میں ہر مومن کی جان سے زیادہ اس سے قریب ہوں''۔ (صحیح مسلم: ۲۰۰۵)

ایک اور مقام پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَا مِنۡ مُؤۡمِنٍ إِلَّا وَأَنَا أَوۡلَی بِہٖ فِی الدُّنۡیَا وَالۡآخِرَۃِ۔ ''میں ہر مومن سے دنیا اور آخرت میں سب سے زیادہ قریب ہوں''۔ (صحیح بخاری: ۴۷۸۱)

جب رسول اللہ ﷺ کا حق تمام ایمان والوں پر سب سے زیادہ ہے تو ان کی محبت بھی اہل ایمان کے دلوں میں سب سے زیادہ ہونی چاہیے۔ یہاں تک کہ اپنی ذات سے، اپنے ماں باپ سے، اپنی اولاد سے بلکہ تمام انسانوں سے زیادہ محبت رسول اللہ ﷺ کی ذات سے کرنا لازم ہے۔ ارشاد ہے: لَا یُؤۡمِنُ أَحَدُکُمۡ حَتّٰی أَکُوۡنَ أَحَبَّ إِلَیۡہِ مِنۡ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ أَجۡمَعِیۡنَ (بخاری ومسلم)

یعنی ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک حقیقی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے دل میں میری محبت اپنے والد اپنے لڑکے اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو''۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: ہم نبی ﷺ کے ہمراہ تھے جبکہ آپ نے حضرت عمر بن خطاب کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ حضرت عمر بن خطاب نے کہا آپ میری جان کے علاوہ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ نبی ﷺ نے انہیں فرمایا: نہیں نہیں، مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! (ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا) جب تک میری ذات تمہیں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز نہ ہو۔ حضرت عمر بن خطاب نے آپ سے کہا: فإنَّه الآنَ، واللهِ لَأَنْتَ أحَبُّ إلَيَّ مِن نَفْسِي، فَقالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ: الآنَ يا عُمَرُ، اللہ کی قسم! اب آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے عمر! اب (تیرا ایمان مکمل ہوا ہے)۔'' (صحیح بخاری: ۶۶۳۲)

صحابہ کرام کا ایمان وعقیدہ:

جس ذات سے جتنی محبت ہوتی ہے اس کی عزت وناموس اس کے لیے اتنی ہی اہم ہوتی ہے، جو سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے اس کے ناموس کے تحفظ کے لیے ہر قربانی دینے کو تیار رہتا ہے۔ رسول اللہ کی ذات چوں کہ اہل ایمان کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے اس لیے محبت کے تقاضے کے عین مطابق حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور سلف صالحین نے محبت رسول اور اس کے تقاضوں پر عمل پیرا ہوکر سرفروشی اور جاں سپاری اور فدائیت کے ایسے انمٹ نقوش قائم کیے ہیں جو قیامت تک کے لیے مشعل راہ ہیں۔ اس کے کچھ نمونے آپ بھی ملاحظہ فرمائیں اور اپنی زندگی میں ایمان کا نور پیدا کریں:

حضورِ اکرم ﷺ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ ایک دیہاتی حاضر ہوا اور کہا ''یارسول اللہ ﷺ! قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم نے اس کے لیے کیا تیار کر رکھا ہے؟ اس نے عرض کیا ''مَیں نے اس کے لیے زیادہ نماز، روزے، صدقے کا سامان تو نہیں کیا، مگر مَیں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے محبّت رکھتا ہوں''۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''(قیامت والے دن) آدمی اُسی کے ساتھ ہوگا، جس سے وہ محبّت رکھتا ہے''۔ (صحیح بخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے مسلمانوں کو اسلام لانے کے بعد کسی بات پر اِتنا خوش ہوتے نہیں دیکھا، جتنا اِس بات پر وہ خوش ہوئے۔ کیسی عظیم اور خوش نصیب جماعت تھی!! صحابۂ کرام کے نزدیک تو اللہ کے رسول ﷺ سے محبّت، اُن کی اتباع اور اُن پر جان نچھاور کرنا ہی زندگی کا حاصل تھا۔ غزوۂ تبوک کے موقعے پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گھر کا سارا سامان خدمتِ نبوی ﷺ میں پیش کر دیا۔ حضرت عُمر رضی اللہ عنہ نے گھر کا آدھا سامان اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تین سو اونٹ مع ساز وسامان آپ ﷺ کی نذر کیے۔ (سیر الصحابہ)

صحابہ کرام اور ادب وتعظیم مصطفیٰ ﷺ

صلح حدیبیہ کے موقع پر اہلِ مکہ کی طرف سے عروہ بن مسعود مسلمانوں سے مذاکرات کے لیے ان کے نمائندہ بن کر آئے۔ عروہ بن مسعود ایک بلند نگاہ، پڑھا لکھا، رعب و دبدبہ رکھنے والا مدبرانہ صلاحیت کا حامل انسان تھا۔ جب حدیبیہ کے مقام پر عروہ بن مسعود نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تھا تو اس کی آنکھوں نے آسمان کے نیچے کسی انسان کی عزت وتکریم کا یہ عجیب وغریب منظر اس سے قبل نہیں دیکھا تھا۔ عروہ بن مسعود کے ان الفاظ کو محدثین نے جس انداز میں نقل کیا ہے اس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ عروہ نے واپس گروہِ کفار میں جا کر بتایا۔

اے قوم قریش! میں کسریٰ، قیصر اور نجاشی یعنی شاہ فارس، شاہ روم اور شاہ حبشہ کے پاس ان کی حکومت میں گیا ہوں، بخدا میں نے ہرگز کوئی بادشاہ اپنی قوم میں اتنا محترم نہیں دیکھا جس قدر محمد (ﷺ) اپنے اصحاب میں معزز ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ میں نے کبھی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا کہ اس کے رفیق اس کی اس قدر تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد (ﷺ) کے اصحاب آپ کی تعظیم کرتے ہیں۔ تحقیق کہ میں نے ایسی قوم دیکھی ہے جو کبھی بھی محمد (ﷺ) کو نہیں چھوڑے گی اور ہمیشہ آپ کی تعظیم کرتی رہے گی۔

عروہ بن مسعود کہتے ہیں: نبی اکرم ﷺ جب بھی وضو فرماتے تو صحابہ کرام علیہم الرضوان وضو کا پانی حاصل کرنے کے لیے بے حد کوشش کرتے حتی کہ قریب تھا کہ وضو کا پانی نہ ملنے کے سبب لڑ پڑیں۔ صحیح بخاری کے الفاظ یہ ہیں: وَإِذَا تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَادُوا يَقْتَتِلُونَ عَلَى وَضُوئِهِ. (صحیح بخاری: ۱۸۹)

عروہ بن مسعود نے یہ بھی دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ بلغم بھی تھوکتے تو صحابہ کرام علیہم الرضوان اسے اپنے ہاتھوں میں لے لیتے، اپنے چہرے اور جسم پر ملتے اور اپنے آپ کو شرف

والا سمجھتے۔ آپ ﷺ کا کوئی بال جسد اطہر سے جدا نہیں ہوتا تھا مگر اس کے حصول کے لیے وہ لپک پڑتے، جب آپ ﷺ انھیں کوئی حکم دیتے تو فوراً تعمیل کرتے اور جب نبی اکرم ﷺ گفتگو فرماتے تو آپ ﷺ کے سامنے خاموش رہتے اور ازراہ تعظیم آپ ﷺ کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتے۔ (صحیح البخاری: ۲۷۳۱، ۲۷۳۲۔ الشفاء، ج ۲، ص ۶۹۔ سیرت ابن ہشام، ج: ۳، ص: ۳۲۵)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی اکرم ﷺ سے زیادہ نہ تو کوئی محبوب تھا اور نہ میری نگاہ میں آپ ﷺ سے زیادہ کوئی محترم تھا اس کے باوجود آپ ﷺ کے احترام کے سبب میں آنکھ بھر کر آپ ﷺ کے جمال کی زیارت نہ کر سکا تھا۔ اگر مجھ سے حضور ﷺ کی صفت پوچھی جائے تو میں بیان نہیں کر سکوں گا کیونکہ میں آنکھ بھر کر آپ ﷺ کے جمال کو دیکھنے کی کبھی ہمت نہ کر سکا۔

(الشفاء، الباب الثالث، ج ۲، ص ۶۸)

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں
عشق پہ اعمال کی بنیاد رکھ

صحابہ کرام کی جاں نثاریاں:

جنگِ اُحد کے دن حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے سامنے ڈھال بن کر کھڑے ہو گئے۔ پُشت تیروں سے چھلنی ہو گئی، مگر آگے سے نہ ہٹے۔ ادھر حضرت ابو طلحہ حضور ﷺ کی طرف پھینکے جانے والے تیروں کو اپنے ہاتھوں پر روکتے رہے، جس سے ہاتھ شل ہو گئے۔ اسی غزوے میں سرکارِ دو عالم ﷺ کا چہرۂ انور خود کی کڑیاں رخسارِ اقدس میں گھس جانے کے سبب زخمی ہو گیا، تو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد، حضرت ابو سنان رضی اللہ عنہ آپ کے چہرۂ اطہر سے خون چُوس کر نگل لیتے۔ اُن سے کہا گیا کہ تم حضور ﷺ کا خون پی رہے ہو؟ یہ سُن کر آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا "میرا خون اُن کے خون کے ساتھ مل گیا، انھیں جہنم کی آگ نقصان نہ پہنچا سکے گی"۔

اکثر روایات کے مطابق رسول اللہ ﷺ احد کے دن جب لڑائی سخت ہو گئی اور دشمن کے ہجوم نے رسول اقدس ﷺ کو گھیرے میں لے لیا تھا اور کسی طرح پیچھے نہ ہٹتے تھے۔ محبان رسول ﷺ اپنے آپ کو رسول اقدس ﷺ کی حفاظت میں قربان کر رہے تھے۔ جب آپ ﷺ کو اس ہجوم کے منتشر کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آئی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "لوگو! کون ہے جو مجھ پر جان دینے کو تیار ہے" حضرت زیاد بن سکن پانچ انصاری صحابہ کے ساتھ آگے بڑھے اور کہا: لبیک یا رسول اللہ ﷺ! اور بھیڑ کو چیرتے ہوئے کفار کی صفوں میں گھس گئے۔ حضرت زیاد بن سکن اپنی جماعت کو لے کر ایسی جان بازی اور شجاعت سے لڑے کہ کفار کی صفوں میں ابتری پیدا ہو گئی۔ یہ پانچوں سرفروشان حق تلوار لیکر جدھر نکل جاتے، کفار میں بھگدڑ مچ جاتی۔ یہ لوگ اس وقت تک شجاعت کا مظاہرہ کرتے رہے، جب تک کہ شہید نہ ہو گئے، لیکن ان کی بہادری سے کفار کے قدم بھی اکھڑ گئے۔ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کے جسم اطہر پر اس دن ۱۴ رشدید زخم تھے، لیکن ابھی زندگی کی کچھ رمق باقی تھی۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب جنگ ختم ہو گئی اور شہداء کی تدفین اور زخمیوں کی مرہم پٹی کا سلسلہ شروع ہوا تو میں نے دیکھا کہ کچھ فاصلہ پر ایک شخص زخموں سے چُور ہے اور بے چینی سے کراہ رہا ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ میں اس کے پاس پہنچیں، پانی پلایا، سانس اکھڑ رہی تھی۔ سیدہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کو یوں محسوس ہوا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے آپ نے غور سے سنا تو وہ کہہ رہا تھا، اللہ کے رسول ﷺ پر اللہ کی رحمتیں ہوں۔ کاش کوئی میرا یہ پیغام آپ تک پہنچا دے کہ ان کا غلام "زیاد" دنیا سے رخصت ہو رہا ہے۔ یعنی ان کی فریاد کچھ یوں تھی کہ یا رسول اللہ!

جاں بلب کی چارہ فرمائی کرو
جان عیسیٰ ہو مسیحائی کرو

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچیں اور زیاد کا پیغام پیش کیا۔ سرکار دو عالم ﷺ بے قرار ہوکر اپنے زخمی صحابی کے سرہانے تشریف لائے۔

سر بالیں انہیں رحمت کی ادا لائی ہے
حال بگڑا ہے تو بیمار کی بن آئی ہے

لب مبارک کو جنبش ہوئی۔ رحمت کے پھول جھڑنے لگے، زیاد! آنکھیں کھولو، دیکھو! میں آ گیا ہوں۔ زیاد نے آنکھیں کھول دیں۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ محبوب دو عالم ﷺ کو سامنے دیکھا، سرکار علیہ السلام کے جلووں میں گم ہو گئے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی آخری تمنا؟ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ بھرائی ہوئی آواز میں صرف اتنا کہہ سکے، صرف ایک تمنا ہے۔ یہ کہتے ہوئے اپنا نیم جان جسم بمشکل تمام گھسیٹ کر آقا کریم ﷺ کے قدموں میں اس طرح ڈال دیا کہ آپ کی پلکیں آقا کے قدموں کو بوسہ دے رہی تھیں، اس قریب المرگ حالت میں بھی مبارک زبان پر یہ الفاظ لبوں پر کھیل رہے تھے۔ ''رَضِیتُ بِاللّٰہِ رَبًّا، وَبِالإِسْلَامِ دِینًا، وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ'' یعنی اللہ تعالیٰ سے رب ہونے کے باعث اور اسلام سے دین ہونے کے طور پر اور محمد ﷺ سے نبی ہونے کی حیثیت سے میں راضی ہوں، پھر ''فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَۃِ'' یعنی رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا، یہ کہتے ہوئے آقا ﷺ کے قدموں میں دم توڑ دیا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی، باب تحریض النبی ﷺ۔ الخ، ج:۳، ص:۲۳۲)

سبحان اللہ! حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس موت پر لاکھوں زندگیاں قربان! آپ کی موت پر اہل ایمان کو رشک آتا ہے۔ آپ نے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی لیکن قیامت تک کے لیے مسلمانوں کو یہ درس دے گئے کہ اگر کبھی دین پر مشکل وقت آئے اور اس کے لیے اپنی جان بھی قربان کرنی پڑے تو کبھی پیچھے نہ ہٹیں عشاق مصطفےٰ ﷺ کی ہمیشہ یہ تمنا اور آرزو رہی ہے کہ ؎

منم و ہمین تمنا کہ بوقت جان سپردن
برخ تو دیدہ باشم تو درون دیدہ باشی

(میری یہی آرزو ہے کہ سرکار ﷺ کہ میری جان نکلنے کے وقت میری آنکھیں آپ کو دیکھ رہی ہوں اور آپ میری آنکھوں میں بس جائیں۔)

عشق و وارفتگی کی کچھ اور جھلکیاں:

ایک مرتبہ حضور ﷺ کو سخت فاقے کی نوبت آ گئی۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا، تو کام کی تلاش میں نکلے تا کہ کھانے کا انتظام کر سکیں۔ ایک یہودی کے ہاں باغ میں پانی کے ڈول نکالنے کا کام مل گیا۔ آپ نے سترہ ڈول نکالے اور ہر ڈول کے بدلے ایک کھجور طے تھی۔ یہودی نے تمام اقسام کی کھجوریں سامنے ڈھیر کر دیں تا کہ اپنی پسند کی کھجور لے سکیں۔ مولا علی نے سترہ عجوہ کھجوریں لیں اور خدمتِ اقدس ﷺ میں پیش کر دیں۔ حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا'' اے ابوالحسن! یہ کھجوریں کہاں سے ملیں؟ حضرت علی نے عرض کیا'' اے اللہ کے رسول ﷺ، مجھے آپ کے فاقے کی خبر ملی، تو مَیں کام کی تلاش میں نکلا تا کہ کھانے کی کوئی چیز حاصل کر سکوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے اللہ اور اُس کے رسول کی محبّت میں ایسا کیا؟ عرض کیا: جی ہاں!۔ حضور نے ارشاد فرمایا ''جو بھی اللہ اور اُس کے رسول سے محبّت کرتا ہے، فقر و فاقہ اُس کی طرف اس سے بھی زیادہ تیزی سے آتا ہے، جتنی تیزی سے پانی کا ریلا ڈھلوان کی طرف آتا ہے۔ لہٰذا، جو اللہ اور اُس کے رسول سے محبّت کرتا ہو، اُسے چاہیے کہ وہ بلا اور آزمائش کے لیے ڈھال تیار کر لے۔ یعنی ''صبر و قناعت'' کے لیے تیار رہے۔ (جامع ترمذی:۲۳۷)

آپ ﷺ نے ایک مرتبہ خطبہ دیتے ہوئے فرمایا ''بیٹھ جاؤ۔'' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہو رہے تھے، جب یہ الفاظ سُنے، تو وہیں

دروازے پر بیٹھ گئے۔ حضور نے دیکھا، تو فرمایا: عبداللہ! اندر آجاؤ۔ ایک صحابی کے رنگین کپڑوں کو آپ نے ناپسند کیا، تو اُنھوں نے معلوم ہونے پر کپڑے تنور میں ڈال دیے۔

محبت کے عملی تقاضے:

حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے محبت کا عملی تقاضہ تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کے ہر حکم کو اپنی تمام خواہشات وجذبات پر مقدم رکھا جائے، ان کی سنتوں پر پوری دیانت داری کے ساتھ عمل کیا جائے، ان کے لائے ہوئے دین پر مکمل یقین اور اٹوٹ وفاداری ہو، ان پر نازل شدہ کتاب قرآن کریم سے بھر پور تعلق اور اس پر عمل ہو، ان کی سیرت وسنت کو اپنی ذات اپنے گھر اور اہل خانہ پر نافذ کیا جائے، ان کی اخلاقی تعلیمات کو پوری دنیا میں عام کیا جائے، ان کی انسانیت پر مبنی پیغامات سے اپنے برادران وطن خاص طور پر اپنے غیر مسلم پڑوسیوں کو واقف کرایا جائے اور نبی کریم کے اسوہ کے عین مطابق اپنے پڑوسیوں کے دکھ درد مصیبت وغم میں شامل ہوا جائے۔

ساتھ ہی یہ بھی ہمارے ایمان کا ہی تقاضا ہے کہ اپنا سب سے بڑا محسن جان کر حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی اعلیٰ درجے کی تعظیم کی جائے، ان کے لیے جان ودل قربان کرنے کو تیار رہیں اور اگر ان کی عزت وناموس پر کوئی بد بخت ملعون حملہ آور ہو تو اس کا دندان شکن جواب دیا جائے، (شرعی وفقہی طور پر گستاخ رسول کی وہی سزا ہے جو مرتد کی سزا ہے، عہد رسالت میں یہ سزا جن ملعونوں پر نافذ کی گئی، احادیث، سیرت النبی اور فقہی کتابوں میں اس کی مکمل تفصیل مذکور ہے، اس موضوع پر حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی ''الشفاء بتعریف حقوق المصطفی'' اور علامہ ابن تیمیہ کی ''الصارم المسلول'' میں مفصل کلام موجود ہے۔ لیکن موجودہ حالات میں اقلیتی ودیگر جمہوری ممالک میں چونکہ ان سزاؤں کی تعمیل کروانے میں مشکلات ہیں اس لیے سر دست عملی وفکری طور بھی ایسے افراد اور ایسی ذہنیت کا تعاقب کیا جائے، (اگر ایسے ملعون کی بات پہلے مشتہر ہو چکی ہو،) اگر ان کے ہفوات پہلے سے مشتہر نہ ہو تو ایسے آڈیو، ویڈیو اور گستاخانہ تحریروں اور خاکوں کی تشہیر وترویج سے بالکلیہ اجتناب کیا جائے۔

قانونی وجمہوری طور پر ہمارے لیے جو کچھ بھی کرنا ممکن ہو اس میں دریغ نہ کیا جائے، اور جمہوری انداز میں متحد ہو کر ہر قسم کے فروعی اختلاف کو پس پشت ڈال کر، سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر مذہبی شخصیات بالخصوص حضرت رسالت مآب ﷺ کی اہانت وگستاخی پر پھانسی کی سزا کے لیے قانون بنانے کا مطالبہ ملکی طور پر بھی کی جائے اس کے لیے مختلف ذرائع ابلاغ کے ذریعے فضا بھی ہموار کی جائے، اقوام عالم کو بھی اپنی قلمی، اخلاقی وفکری طاقت سے اس سمت میں قانون سازی کے لیے مجبور کیا جائے۔

مشہور عباسی خلیفہ ہارون رشید نے ایک موقع پر حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ اگر دنیا میں کسی جگہ حضور اکرم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کا واقعہ رونما ہو جائے تو ایسے حالات میں آقا ﷺ کی امت کی کیا ذمہ داری ہے؟

حضرت امام مالک نے تاریخی جملہ ارشاد فرمایا کہ: ''امت مسلمہ اس سے بدلہ لے''۔ پوچھا گیا: اگر حالات ایسے ہوں کہ ایسا نہ کر سکے تو پھر؟ امام مالک رحمہ اللہ نے وہ تاریخی جملہ کہا جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، آپ نے فرمایا: ''پھر حضور ﷺ کی ساری امت مر جائے، اس کو جینے کا بھی کوئی حق نہیں''۔ (بحوالہ: انسانی عظمت کے تابندہ نقوش)

اللہ اکبر! اس واقعہ سے مسئلے کی حساسیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

واقعی رسول اللہ ﷺ کی عزت وناموس پر حملے ہوتے رہیں، رسول اللہ ﷺ کے حرم پاک کو نشانہ بنایا جاتا رہے، حضرات امہات المومنین پر ہفوات بکے جاتے رہیں اور ہم خواب خرگوش کے مزے لیتے رہیں تو واقعتاً یہ ہمارے لیے یہ ڈوب مرنے کا مقام ہے۔

ایسے مواقع پر قانون کے دائرے میں جو کوشش

ہمارے لیے ممکن ہو وہ کر گذریں تو ضرور اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد ہمارے شامل حال ہوگی۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے: إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ (سورہ محمد: ۷) یعنی: اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا، اور تمہیں ثابت قدم کر دے گا۔

ساتھ ہی اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ رحمت عالم ﷺ کی یوم ولادت کے موقع پر ہم جھنڈے لگائیں نہ لگائیں، چراغاں کریں یا نہ کریں، جلوس محمدی ﷺ نکالیں نہ نکالیں، اگر نکالیں یا کسی جلوس میں شریک ہوں تو انتہائی ادب واحترام کے ساتھ شریک ہوں، زبان پر حمد و نعت کے نغمے اور درود پاک کا ورد ہو، نمازوں کی ادائیگی میں غفلت نہ ہو اور اسلام کی عظمت و شان کا خاص خیال رکھا جائے۔ غیر مسلم حضرات اسے دیکھ کر کہیں کہ واقعی یہ محسن انسانیت اور رحمت عالم ﷺ کا ان کی شان کے مطابق نکالا ہوا آئیڈیل جلوس ہے۔ محب گرامی شہید بغداد حضرت علامہ اسید الحق قادری بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے ربیع الاول شریف کے لیے کچھ تجاویز پیش کی تھیں، جس میں کچھ حذف واضافے کے ساتھ نذر قارئین کرتا ہوں۔

اس مبارک موقعے پر:

۱۔ آپ اپنی حیثیت کے مطابق چند مسکینوں اور فقیروں کو کھانا کھلائیں۔

۲۔ کسی نادار بے سہارا، بیوہ کے لیے کپڑے یا دوسری ضروریات زندگی کا انتظام کریں۔

۳۔ کسی غریب یا یتیم بچے کے لیے کتاب یا فیس کا انتظام کر دیں، یا کسی نادار مریض کی دوا کا انتظام کر دیں۔

۴۔ اگر کسی عزیز یا دوست سے کسی وجہ کر قطع تعلق ہو گیا ہو تو یوم ولادت کی خوشی میں اس سے تعلق قائم کرنے میں پہل کریں۔

۵۔ اگر ہمارے اوپر کسی کا کوئی حق ہو تو اس خوشی کے موقع پر حتی الامکان جتنا ہو سکے، ہم اس کو ادا کرنے کی کوشش کریں۔

۶۔ اگر کسی ضرورت مند نے ہم سے قرض لیا ہو تو محض اللہ کی خاطر اور حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی میں استطاعت اور گنجائش کے مطابق یا پورا قرض معاف کر دیں، یا اس میں سے کچھ رقم معاف کر دیں یا پھر کم از کم قرض واپسی کی مدت بڑھا دیں۔

۷۔ اپنے غریب مسلم دوستوں سے ملاقات کریں، ان کو کوئی تحفہ دیں، اور ساتھ میں اسلام کے تعارف یا سیرت پاک ﷺ کے متعلق کوئی کتاب ان کو پیش کریں، یا کم از کم زبانی اسلام کی تعلیمات اور حضور پاک ﷺ کے بارے میں ان کو بتائیں۔

۸۔ اپنے گھر، محلے یا علاقے میں پیڑ لگائیں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان جب کوئی درخت لگاتا ہے تو جب اس درخت کا پھل کھایا جائے گا اور لوگ اس کے سائے میں بیٹھیں گے اس وقت تک درخت لگانے والے کے لیے یہ صدقہ جاریہ ہوگا۔ اور پھر پیڑ لگانا آج کل ماحولیات کی حفاظت کے لیے بھی بہت مفید ہے۔

۹۔ میلاد النبی اور سیرت النبی ﷺ کے ایسے جلسے منعقد کیا جائے جس میں سنجیدگی اور وقت کا خیال رکھتے ہوئے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی عظمت وشان، ان کی رحمۃ للعالمینی، ان کے اخلاق حسنہ اور انسانوں کی ہمدردی، بھلائی اور فلاح وبہبودی کے جو عظیم خدمات انجام دیئے ہیں، اسے سنجیدگی اور متانت کے ساتھ پیش کیا جائے۔ جس میں مسلمانوں کے ہر طبقے کے ساتھ ساتھ غیر مسلم مرد وخواتین کو بھی دعوت دی جائے۔ نفرتوں کے ماحول میں محبت کی خوشبو پھیلانے کے لیے ہمیں یہ کرنا ہی ہوگا اور یوں بھی اللہ جل شانہ نے ہمارے ذمہ حکمت وتدبر کے ساتھ ''دعوت دین'' کا اہم ترین فریضہ رکھا ہے۔ جس کا نبھانا بھی ہمارے لیے فرض عین ہے۔ اللہ کریم ہمیں اس ذمہ داری کو نبھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ حبیبک سید المرسلین ☆☆☆

مثبت زاویے تعمیر نو کی ضمانت

ڈاکٹر خواجہ افتخار احمد

فکر و عمل، حکمت و تدبر، مفاہمتی تحریک، تعمیر و تشکیل کی جستجو اور فلاحی سرگرمیوں کی حقانیت یہ وہ چند کلیدی نکات ہیں جو کسی بھی میدان میں ترقی کی علامات کی شکل میں سامنے رہتے ہیں۔ دوسری بات تنقید اور تنقید سے راست تعلق رکھتی ہے۔ یہاں منطق منفی اور مثبت دونوں کا مرکب ہوسکتی ہے اور نہیں بھی۔ یاد رکھیے اس دور فتن میں تخریب کو بھی ہمیشہ تعمیر کا جامہ پہنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ جملہ بھاری ہے مگر حقیقت کا آئینہ دار ہے۔ اس تلخ حقیقت کو ذہن میں ضروری رکھیں۔

فطرت انسانی جس کا سیدھا تعلق حواس خمسہ سے ہے۔ پہلا سمع (سننا) دوسرا بصر (دیکھنا) تیسرا شم (سونگھنا) چوتھا ذوق (چکھنا) اور پانچواں لمس (چھونا) سے ہے۔

دوسری تفصیل حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے جس کے مطابق حواس خمسہ کی تشریح ظاہری اور باطنی بنیادوں پر کی گئی ہے۔ قوت حسیہ (سابقہ پانچ حواس) قوت خیالیہ (قوت ارادی یا خیالی) قوت عقلیہ (ذہنی اہلیت و دماغی صلاحیت) قوت فکریہ (غور و فکر تجزیہ و تحقیق کی صلاحیت) اور قوت قدسیہ (باطنہ) کا تعلق (شریعت، روحانیت، طریقت، معرفت اور حقیقت) سے ہے۔ شریعت یعنی احکام خداوندی پر عمل درآمد، روحانیت یعنی ہر شئی میں وحدانیت کا ظہور دکھائی دینا، طریقت اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل و غیر مشروط اطاعت و اتباع، معرفت یعنی انوار الٰہی کا ظہور و اظہار اور حقیقت وہ آخری منزل جہاں حقیقت سے رسائی کی کیفیت کا من جانب اللہ و مشیت الٰہی کے تحت وجود میں آنے کا امکان رہتا ہے۔ عبادات و عملیات کے نتائج اللہ رب کریم کی عطا اور خالص اس کے فضل پر موقوف رہتے ہیں۔ وہاں محض فریاد اور ریاضت کا حق ہے کوئی دعوی قائم نہیں کیا جا سکتا (انبیاء علیہ السلام، اولیاء اللہ اور اللہ کے نیک بندے اس زمرے میں آتے ہیں) عشرۂ مبشرہ جن کو جنت کی بشارت ان کی زندگی میں ہی دے دی گئی وہ اس تفصیل سے مستثنیٰ قرار پائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قرآن کریم کے مضامین، تعلیمات، احکام خداوندی، اسوۂ حسنہ اور فقہ اسلامی سب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مرکبات و تشریحات میں شامل ہیں۔ اللہ رب العزت انسان (مسلم و مومن) سے کیا چاہتا ہے۔

''صبر، قناعت، توکل اور تقویٰ، انسان اور انسانیت کا احترام۔ ماحول اور ماحولیات میں طہارت و پاکیزگی، اعلی اخلاقیات۔ غلاظت، بیہودگی، بددیانتی، بدزبانی، بدکاری، بد خیالی اور بے ربط زندگی سے مکمل کنارہ، غریب، غرباء، مساکین، فقراء، حاجت مند، متروکہ، مطلقہ اور محتاجوں کی مدد، دادرسی، ہمت و حوصلہ افزائی، حتی المقدور ان کی جائز ذرائع سے مالی مدد و معاونت۔ محروم، مظلوم، محکوم، مجبور، بے بس، لاچار، کمزور اور ناتواں کے ساتھ کھڑے ہونا۔ بدکار، بدتمیز، بے حیا، بے حس، بے ایمان، جھوٹے، مکار، فریبی، خائن اور ناقابل اعتبار شخص کے لیے ہدایت کی دعا اور اس کی اصلاح میں آپ کا تعمیری کردار چاہتا ہے''۔

''ظلم، جبر، زیادتی، ناانصافی، ناقدری اور پامالی کی ہر شکل سے کنارہ اور دوری چاہتا ہے۔ بالآخر عدل پر مبنی معاشرہ اللہ رب العزت کی وہ چاہت و حکمت ہے جس کے گرد بنی نوع انسان سے جڑی تمام سرگرمیاں، تگ و دو، جدوجہد حتی کہ جہاد فی سبیل اللہ تک کا گشت اور گردش گویا

کچھ بھی اس سے باہر نہیں''۔

امت مسلمہ کو جو کردار رب کریم نے عطا کیا اور جس پر اس کے انفرادی، اجتماعی، ادارہ جاتی، خاندان، گرد و نواح، پڑوس، محلے، بستی، کالونی، شہر، ریاست، ملک، بین الاقوامی گویا ہر حلقہ زندگی کی بقا، سلامتی، تعمیر، تعمیر و تباہی موقوف ہے، ہم امت وسط کس حد تک اس فریضے کی ادائیگی کر پا رہے ہیں آج یہ سوال آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ ایک متبادل محض تنقید اور نقص نکالنا ہے جبکہ خالص اسلامی رجحان مجھے مثبت اور تعمیری فکر کی طرف کھینچے لیے جا رہا ہے۔

اس پس منظر کے ساتھ اپنے وطن عزیز کے تناظر میں ایک تجزیہ آپ کے گوش گزار کر رہا ہوں۔ اللہ رب کریم کا بڑا شکر و احسان ہے کہ اس نے ہمیں زمین کے اس خطے میں پیدا کیا جس کے بارے میں ہمارے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے ''ہند'' سے ٹھنڈی ہوائیں آتی ہیں۔ جس کی تعبیر اس خطے میں اسلام اور مسلمانوں کی قبولیت، مقبولیت و معقولیت کے حوالے سے اپنے آپ میں بے مثل ہونا ہے۔ یہ وہ ملک و معاشرہ ہے جس نے روز اول سے اسلام کی دعوت و تبلیغ کو زمین فراہم کی۔ آج بھی الحمدللہ یہ عمل پوری آب و تاب سے جاری ہے۔ صدیوں یہاں مسلم اقتدار رہا اکثریت جس کا اٹوٹ حصہ رہی۔ ساتھ مل کر رہے، لڑے، جوجھے، مگر ایک جسم کی طرح بنے رہے۔ ہمارا حال آج بھی کچھ اس سے زیادہ مختلف نہیں! گلے شکوے، شکایتیں، محرومیاں، دقتیں، اور پریشانیاں زندگی کا معمول ہیں جن سے نہ برد آزما ہوا جاتا ہے۔ یوں بھی زندگی جدوجہد کا نام ہے۔ آزمائشیں، امتحان اور ناکامیاں بالکل اسی طرح فطری ہیں جیسے کامیابیاں، ترقیاں اور تعمیر نو!

ایک معاشرے کے طور پر دیکھیں پانچ لاکھ مساجد، ۲۵ ہزار سے زائد اردو میڈیم اسکول، ۳۲ سے زائد ڈیمیڈ یا مکمل منظور شدہ یونیورسٹیاں، ہزارہا اعلی تعلیمی ادارے، مدارس اسلامیہ، خانقاہیں، لا تعداد ملی تنظیمیں اور تحریکیں، پر امن عبادات کا نظم و نسق، اربوں کی زکوٰۃ، صدقات، حسنات، کفالت کا منظم اور غیر منظم ملک گیر نظم، تعلیمی عمل کا ہر سطح تک پہونچ جانا، اس کی اہمیت و افادیت کا غیر معمولی احساس آج غضب کی خود اعتمادی پیدا کر رہا ہے۔ ہم سب کا یہ پختہ ایمان و عقیدہ ہے کہ عزت، ذلت، مشکل، محرومی، جبر، ظلم، آسانی، سہولت، ہمدردی، ترقی، تنزلی، شکست و فتح، اچھا برا حکمراں، جائے پیدائش و موت یہ سب منشی و مشیت ربی کے تابع ہیں۔ اسلام وہ عقیدہ ہے جو ذہنی بے چینی اور اضطراب کی ہر کیفیت اور مایوسی پر فتح حاصل کرنے میں مفلس و نادار تک کو اطمینان قلب عطا کرتا ہے۔ اللہ اکبر!

جب کوئی ناگہانی آفت مومن کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے تو ایک ہی بات اس کے دل سے نکلتی ہے اور زبان سے ادا ہوتی ہے موت اللہ کی مشیت، حادثات سے اللہ نے بہت بچایا، بیماری میں اللہ شافی اور اللہ ہی کافی، رزق بندے سے نہیں، اپنے خالق سے مانگتا ہے، عدل حاکم اور نظام سے مانگتا ہے جتنا ملے اس پر شکر اور جہاں کمی یا محرومی، اس میں اللہ کی حکمت دیکھتا ہے، معذور، مجبور، بے یار و مددگار ہو مگر مانگتا اسی سے ہے۔ آزمائش کتنی بھی بڑی کیوں نہ ہو اپنے خدا سے کبھی گلا کرتے دیکھا، سوال ہی نہیں۔ ایمان کی دولت کو سب سے بڑی دولت سمجھنے والی وہ قوم جو ہر آزمائش کو قرب الٰہی اور اس کی مصلحت سے جوڑ کر دیکھتی ہے اور سورہ الفتح کے اس پس منظر میں حالات کو سمجھتی ہے جس میں وقتی ناکامی میں فتح مبین کی ضمانت کا یقین پوشیدہ رہتا ہے۔ اللہ اکبر!

ضعیف العقیدہ، دنیا، مادے اور مادیت پرستی کے مارے مٹھی بھر حلقے مسلمانان ہند کو یہ کہہ کہہ کر کہ وہ ڈر رہا ہے اس کے ساتھ ظلم کر رہے ہیں،

بقیہ صفحہ ۱۳ پر ملاحظہ کریں

رب کے در پر آئیں تو دل کو ساتھ لائیں!

قاری محمد اشرف ہاشمی

ہمارا حال بھی عجیب ہے! ہم ظاہری طور پر تو نماز پڑھتے ہیں، مگر دل کو ساتھ لانا بھول جاتے ہیں۔ دل یا تو گھر کی الجھنوں میں الجھا ہوتا ہے، یا دکان کی فکر میں کھویا ہوتا ہے۔ کبھی دوستوں کی محفل میں مگن ہوتا ہے، تو کبھی دنیاوی خیالات میں بھٹک رہا ہوتا ہے۔ جب تک ہم اپنا دل بھی جسم کے ساتھ اللہ کے حضور نہیں لائیں گے، نماز کا حقیقی لطف اور روحانی اثر کیسے حاصل ہوگا؟ نماز صرف جسم کی حرکت کا نام نہیں، یہ دل کی حاضری اور روح کی پرواز ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے نشے کے متعلق جو آیت نازل فرمائی، وہ بظاہر ایک مختصر سی ہدایت ہے، لیکن اس کے اندر نماز کی عظمت، شعورِ عبادت، اور بندے کی ذمہ داری کا ایک نہایت اہم اور عظیم پیغام پوشیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''اے ایمان والو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ، یہاں تک کہ تم جان لو کہ کیا کہہ رہے ہو۔'' (النساء، ۴۳) یہ الفاظ گویا ہمیں جھنجھوڑتے ہیں کہ نماز محض الفاظ دہرا دینے کا نام نہیں، بلکہ شعور و ہوش کے ساتھ اپنے رب کے حضور حاضر ہونے کا نام ہے۔ نماز اُس وقت مکمل ہوتی ہے جب دل بھی ساتھ ہو، ذہن بھی حاضر ہو، اور بندہ یہ جانتا ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، کس سے بات کر رہا ہے۔ تصور کیجیے، آپ کسی کو اپنے گھر میں ملازم رکھتے ہیں۔ آپ اس سے کہتے ہیں کہ تمہیں روزانہ جھاڑو دینا ہوگا، وہ سے سر ہلا کر کہتا ہے: جی ہاں۔ پھر آپ اسے کہتے ہیں، برتن بھی دھونے ہوں گے، وہ پھر ''جی ہاں'' کہتا ہے۔ مزید کام بتاتے ہیں، وہ ہر بات پر اثبات میں سر ہلاتا چلا جاتا ہے۔ تب آپ اسے روک کر کہتے ہیں: ''بھائی! جی جی کہنا آسان ہے، سر ہلانا بھی آسان ہے، مگر کیا تم واقعی یہ سب کام کر پاؤ گے؟ یا صرف الفاظ کی حد تک ہاں کر رہے ہو؟

بس یہی سوال اللہ تعالیٰ ہم بندے سے کر رہا۔ اے بندے! تو میرے دروازے پر کھڑا ہے، میرے سامنے ہاتھ باندھے ہوئے ہے، زبان پر وعدوں کا انبار ہے۔ تو کہتا ہے: ''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں''۔ (الفاتحہ آیت ۴) تو یہ بھی کہتا ہے:

''پروردگار! ہم تیرے ہی بندے ہیں، صرف تیرے لیے نماز پڑھتے ہیں، سجدے کرتے ہیں، ہماری ہر کوشش، ہماری ہر دوڑ دھوپ، صرف تیری رضا کے لیے ہے۔ ہم صرف تیری رحمت کے طلبگار ہیں اور تیرے عذاب سے کانپتے ہیں۔ مگر میں، ربّ العالمین، تجھ سے پوچھتا ہوں: یہ سب کچھ تُو کس سوچ کے ساتھ کہہ رہا ہے؟ کیا واقعی دل سے کہہ رہا ہے؟ کیا تیری زبان جو وعدہ کر رہی ہے، تیرا دل بھی اُسی راستے پر ہے؟ کیا واقعی تیری زندگی میری بندگی میں ڈھل چکی ہے؟ یا پھر تُو بس الفاظ دہرا رہا ہے..... بغیر سمجھے، بغیر سوچے، بغیر دل لگائے؟

یہ سب سے بنیادی بات ہے، جب ہم اُس ربِّ کریم کے دروازے پر جائیں، تو صرف جسم لے کر نہ جائیں، دل کو بھی ساتھ لے کر جائیں۔ نماز صرف قیام، رکوع اور سجدے کا مجموعہ نہیں، بلکہ ایک عاشق کی ملاقات ہے اپنے محبوب سے۔ لیکن افسوس! ہم نماز میں کھڑے ہوتے ہیں، مگر دل کہیں اور ہوتا ہے۔ خیالات کا ہجوم، دنیا کے جھمیلوں کی آوازیں، سوچوں کی بھٹک۔

یہ سب مل کر اللہ کے خیال کو دبانے لگتے ہیں۔ ایسے میں ربّ کا ذکر زبان پر ہوتا ہے، مگر دل غفلت میں بھٹک رہا ہوتا ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم تلاش میں مخلص نہیں ہوتے۔ ہم نے اللہ کو پانے کی تمنا تو رکھی ہے، مگر وہ طلب، وہ لگن، وہ سچائی..... جس سے دل دہل جائے، جس سے دنیا کی ہر رکاوٹ معمولی لگنے لگے۔ وہ مخلص تلاش نہیں

رکھتے۔ جب کوئی شخص سچے دل سے کسی محبوب کو تلاش کرتا ہے، تو راستے کی کانٹے اسے نہیں روکتے، دنیا کے شور اسے نہیں بھٹکاتے، اور خیالات کا طوفان بھی اس کے عزم کو کمزور نہیں کر پاتا۔ نماز میں خیالات آتے ہیں، یہ فطری ہے، مگر جب بندہ واقعی اللہ کی تلاش میں مخلص ہوتا ہے، تو ہر خیال سے لڑتا ہے، ہر وسوسے سے نبرد آزما ہوتا ہے، اور بالآخر ربّ کے حضور دل سمیت حاضر ہونے لگتا ہے۔

آپ کسی پُر ہجوم چوک میں کھڑے ہوں اور کسی دوست کی تلاش میں نکلے ہوں، ادھر اُدھر دیکھ رہے ہوں تب بہت سے لوگ آپ کو دیکھ کر سلام کریں گے لیکن آپ نہیں دیکھیں گے۔ وہ بعد میں ملیں گے اور کہیں گے کہ آپ فلاں چوک میں کھڑے تھے، ہم نے بہت ہاتھ ہلایا لیکن آپ نے دیکھا ہی نہیں۔ آپ نے میری آواز سنی اور میرے سلام کا جواب ہی نہیں دیا۔ واقعتاً آپ کے کانوں سے اس کی آواز تو ٹکرا رہی تھی اور آپ اس کے ہاتھ کو دیکھ رہے تھے لیکن کس طرح دیکھ رہے تھے۔ قرآن کہتا ہے: حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔ (الحج ۲۲:۴۶)

یہ آنکھیں اندھی نہیں بلکہ وہ دل اندھے ہو گئے ہیں۔ دل جس کی تلاش کرتا ہے، آنکھیں بھی اس کی تلاش میں سرگرداں رہتی ہیں۔ اس دنیا کے بازار میں آپ اس ایک کی تلاش میں یوں نکلیں کہ ہزاروں گزر جائیں لیکن آپ کی نگاہ میں نہ ٹھہریں، اور جب وہ نظر آئے تو آپ شور مچا دیں کہ ہاں وہی ہے۔ اس انداز میں جب آپ نماز پڑھیں گے تو تخیلات آتے رہیں، انہیں دھکا دے کر کہیں کہ میں تو اسی ایک کی تلاش میں نکلا ہوں۔

انسان کمزور ہے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ خیالات آ بھی جاتے ہیں لیکن ان کے ساتھ دل لگا لینا نقصان دہ ہے۔ آپ کے ہاں مہمان آ جائے جو عزیز دوست بھی ہو۔ جب وہ بات کر رہا ہو تو آپ کے بچے آپ سے چمٹ جائیں۔ آپ بھی اس کی بات سنیں اور کبھی بچوں کو پیار کریں۔ مہمان بات کر رہا ہے اور آپ اس کی طرف توجہ ہی نہیں کر رہے ہیں، تو مہمان اُٹھ کر جانا چاہے گا، کہے گا کہ یہ میری بے عزتی ہے۔ یہ تو بچوں کے ساتھ ہی مصروف ہو گئے ہیں اور میں نے جو بات کی وہ انہوں نے غور سے سنی ہی نہیں۔

اب ایک یہ کیفیت ہے کہ مہمان آیا ہے اور بچے بھی آ کر چمٹ گئے ہیں۔ آپ انہیں کہیں کہ بیٹا بات کر لینے دو۔ ادھر سے کوئی دوسرا بچہ آ جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ بیٹے ذرا بیٹھو بات کر لینے دو۔ بچے آ رہے ہیں، آپ نے انہیں مارا نہیں یا برا بھلا نہیں کہا بلکہ انھیں ہٹاتے جا رہے ہیں اور بات دوست کی سن رہے ہیں۔ دوست اس پر برا نہیں مانے گا کہ بچے ہیں، نادان ہیں لیکن وہ تو توجہ کر رہا تھا۔

اگر نماز میں دنیا کے خیالات ادھر ادھر سے آنے لگیں اور باوجود کوشش کے ایسا ہو تو تسلسل کے ساتھ انہیں ہٹاتے رہیں کہ میں اللہ سے بات کر رہا ہوں۔ میں اپنے خدا سے پیار کی بات کر رہا ہوں۔ اگر ہم ادھر منہمک نہ ہوئے تو قابل معافی ہیں اور اگر ہم نے ان بچوں سے پیار کرنا شروع کر دیا اور مہمان کا خیال نہ کیا، تو وہ کہے گا کہ سارا دن تو ان کے ساتھ رہا ہے اور اب بھی انہی سے سروکار ہے، میرا تو اس نے خیال ہی نہیں کیا۔ پھر یہ بات ناگوار ہوگی اور مہمان کا ناراض یا خفا ہونا بلا جواز نہیں ہوگا۔

اللہ کے ہاں سب سے بڑی چیز نماز ہے۔ نماز جس شخص کی درست ہو جاتی ہے، اس کا ایمان درست ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کی تلاش میں سرگرداں شخص ہی دراصل نماز کا حق ادا کر سکتا ہے ورنہ نماز کا حق ادا ہی نہیں ہوتا، اور جو نماز کا حق ادا کر دیتا ہے وہ پھر گناہ کی طرف نہیں بڑھ سکتا۔ پھر سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ وہ گناہ کے راستے پر چل سکے اور جو شخص گناہ کے راستے پر جاتے ہوئے نماز ادا کرتا ہے، کچھ عجب نہیں کہ رب تعالیٰ اس کی جانب سے نگاہ پھیر لے۔ اس لئے نماز پوری توجہ اور یکسوئی کے ساتھ ادا ہونی چاہئے۔

☆☆☆

اردو کی ادبی تحقیق میں فارسی زبان کی اہمیت

پروفیسر فاروق احمد صدیقی

حق یہ ہے کہ اردو میں تحقیق کا حق ادا ہو ہی نہیں سکتا، اگر حق فارسی سے نابلد ہے۔ کئی جہتوں سے اردو فارسی کی رہین منت ہے۔ فارسی اور اردو دونوں آریائی زبانیں ہیں۔ ایک نے ایران میں پرورش پائی تو دوسری نے ہندوستان میں۔ ایک کا قدیم ہے اور دوسری جدید۔ ایک موثر ہوئی دوسری متاثر۔ ایک کی آغوش عاطفت میں دوسری پلی۔ ایک اقتدار، دیار غیر میں تھا دوسری نے اس غیر ملکی زبان کے زیر سایہ اپنا عہد طفولیت گزارا۔ اس کی انگلیاں پکڑ کر اس نے چلنا سیکھا۔ اس کے میٹھے میٹھے بول اس کی توتلی زبان پر جاری ہو گئے۔ اس کے اطوار و عادات، آداب و انداز اور ایک حد تک سرشت کو بھی اس نے اپنا لیا۔ لیکن بہر حال اردو کا کینڈا ہندوستانی تھا۔ اس لئے اپنی رضاعی ماں فارسی سے اس کی بہت سی ادائیں مختلف بھی ہیں۔

اردو کی لسانی ساخت مغربی ہندی یا مغربی آپ بھرنش کی بولیوں سے بالخصوص کھڑی بولی سے براہ راست تعلق رکھتی ہے، مگر اس کے سرمایۂ لغات میں ہزاروں فارسی الفاظ و محاورات اور بندشیں اور ترکیبیں اس طرح داخل ہیں کہ اب ان کے نکالنے کی کوشش بھی رجعت قہقری کی مثال ہوگی اور سعی لا حاصل۔ اردو کی بیشتر مقبول و معروف شعری اصناف براہ راست فارسی سے ماخوذ ہیں۔ غزل، مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، شہر آشوب و اسوخت، رباعی یہ سب فارسی کا عطیہ ہیں۔ اگر چہ ان میں اکثر لغت کے اعتبار سے عربی ہیں مگر یہ فارسی کے وسیلے سے اردو تک پہنچی ہیں۔ ان شعری اصناف پر ادبی تحقیق کرنے کے لئے لازماً ہمیں ایران کے مکتب و میخانہ ادب کی طرف رجوع کرنا ہوگا کیونکہ ان اصناف سے متعلق تاریخی و ادبی معلومات کا قیمتی ماخذ وہیں موجود ہے۔ علاوہ ازیں ان اصناف شعری کے لوازمات، اجزائے ترکیبی اور دیگر علمی و ادبی اصطلاحات بھی فارسی ہی کی میراث ہیں۔ اس لئے اردو کی ادبی تحقیق فارسی کو نظر انداز کر کے ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتی۔ جب بھی ان اصناف سے متعلق کوئی تحقیق ہوگی فارسی زبان اور اس کی ادبی روایات سے استفادہ ناگزیر ہو جائے گا۔

فارسی صدیوں تک ہندوستان میں دفتر و دربار اور مدارس و مجالس کی زبان رہی ہے۔ اس زمانے میں تصنیف و تالیف کا کام فارسی ہی میں ہوتا تھا۔ شعر گوئی و سخن فہمی، طرز کلام اور انداز نگارش، ذہانت و فراست اور علم و فضل کا معیار و پیمانہ فارسی ہی تھی۔ اُردو کے مصنف اور شعراء کا مرغ خیال ہمیشہ فارسی شعر و ادب کے خرمن کا ہی طواف کرتا اور نوادرات چن چن کر لاتا۔

یہاں اس واقعہ کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ ولی دکنی نے اپنی شاعری کا آغاز فارسی زبان میں ہی کیا تھا مگر سعد اللہ گلشن کے اس مشورہ کے بعد اُردو میں کہنا شروع کیا کہ ''ایں ہمہ مضامین فارسی کہ بے کار افتادہ اند در ریختہ خود بیار تو کہ محاسبہ خواہد گرفت'' اور اس طرح اردو شاعری کی راہیں ہموار ہوئیں۔ امیر خسرو کو اُردو کا پہلا شاعر ماننے یا کسی دوسرے کو، ان کی شاعری پر فارسی کے گہرے اثرات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ امیر خسرو کے اردو اشعار کا (جو ان سے منسوب ہیں) نصف حصہ فارسی میں ہی ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر اردو کے ابتدائی سرمائے کی چھان بین میں فارسی زبان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اُردو کے اصناف شعر و ادب میں داستان، قصیدہ، غزل، تذکرہ، تاریخ، مثنوی سب سے لطف اندوز ہونے اور ان میں پوشیدہ معنی کے گہر ہائے آبدار سے حظ اٹھانے اور ان کا صحیح اور مکمل ادراک حاصل کرنے کے

لئے فارسی زبان وادب سے آشنائی ناگزیر ہے۔ یہاں پر میں اردو کی قدیم نثری کتابوں میں بطور خاص ''طلسم ہوش ربا'' اور'' فسانہ عجائب'' کا تذکرہ کروں گا، جن کی زبانیں فارسیت سے گراں بار اور بوجھل ہیں۔ ان کتابوں میں مقفیٰ و مسجع عبارت آرائی کے التزام اور مصنوعی طرز بیان نے ان کو اردو ادب کے عام قارئین کے لئے بے حد دشوار بنا دیا ہے۔ لیکن ان کی تفہیم بھی ادبی تحقیق کے نقطہ نظر سے فارسی دانی کے بغیر ممکن نہیں۔ سرسید احمد خان بھی جنہوں نے سادگی زبان و بیان پر بڑا زور دیا۔ آثار الصنادید کے پہلے ایڈیشن تک مقفیٰ و مسجع زبان لکھتے رہے۔ سرسید احمد خان کی اس تصنیف میں بھی فارسی کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ان تمام کتابوں کی تفہیم وتشریح اس وقت تک ممکن نہیں جب تک فارسی زبان سے اچھی واقفیت نہ ہو۔ آج کالجوں اور یونیورسیٹیوں کے اردو شعبے بالخصوص ان مسائل سے دوچار ہیں۔ اردو کی ادبی تحقیق میں قدیم تذکروں کی اہمیت اظہر من الشمس ہے۔ اردو شاعروں کے حالات زندگی، ان کے عہد و ماحول، اساتذہ ومعاصرین ان کے شاعرانہ مراتب اور دیگر علمی، ادبی، لسانی وعروضی معلومات کے سلسلے میں یہ تذکرے ہمارے لئے اہم مآخذ کی حیثیت رکھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ سارے کے سارے تذکرے فارسی زبان میں ہیں۔ نکات الشعراء مخزن لغات، تذکرہ ریختہ گویاں، تذکرہ گلشن گفتار، تحفۃ الشعراء، چمنستان شعراء، طبقات الشعراء، سفینہ ہندی، نتائج الافکار، ریاض الفصحا، تذکرہ ہندی، گلشن بے خار، گلزار ابراہیم، تذکرۂ شورش، گلستان بے خزاں، تذکرہ قدرت، مجموعہ نغز اور مرآۃ الخیال جیسے اہم تذکروں کو بھلا کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ اردو شعراء کے تذکرے اردو میں بہت بعد کو لکھے گئے۔ مشہور فرانسیسی مستشرق گارساں دتاسی کے مطابق ''گلشن ہند'' پہلا تذکرہ ہے جو اردو میں لکھا گیا ورنہ اس سے قبل تمام تذکروں کی زبان فارسی تھی۔ یہاں تک کہ میرؔ نے اپنی خودنوشت سوانح عمری ''ذکر میر'' فارسی میں ہی لکھی تھی۔ جب تک ان کی سوانح عمری شائع نہیں ہوئی تھی ان کی شاعری کی تشریح وتوضیح میں دشواریاں پیش آتی تھیں۔ جب یہ سوانح عمری شائع ہوگئی تو ان کی شاعری کا مطالعہ ہم صحیح تناظر میں کرنے لگے۔

ہمارے اکثر کلاسیکی شعراء نے فارسی اور اردو دونوں میں طبع آزمائیاں کی ہیں۔ جیسے ولی، میر، درد، مرزا مظہر، مومن، غالب، اقبال وغیرہ۔ لیکن ہم بطور خاص غالب اور اقبال کا ذکر کریں گے۔ کیونکہ ان دونوں کا اصل سرمایہ فارسی میں ہے۔ ہماری ادبی تحقیق ان نامور ان ادب کا صحیح منصب و مقام اس وقت تک متعین نہیں کر سکتی جب تک اردو کلام کے ساتھ ساتھ ان کے فارسی کلام کا کبھی خصوصی مطالعہ نہ کیا جائے۔

مرزا غالب نے تو اپنی فارسی شاعری کو نقش ہائے رنگ رنگ کا نمونہ قرار دے کر بطور خاص اس کے مطالعے کی دعوت دی ہے اور اس کے مقابلے میں اپنی اردو شاعری کو ایک بے رنگ مجموعہ کہہ کر نظر انداز کیا ہے ؎

فارسی بیں تا بہ بینی نقش ہائے رنگ رنگ
بگذر از مجموعہ اردو کہ بے رنگ من است

اس لئے ان کے فکر وفن کے جمال وجلال کی تحقیق وجستجو کے لئے ان کے فارسی کلام کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ غالب کے یہاں اگرچہ کوئی مستقل فکری نظام نہیں ہے تاہم حیات وکائنات کے بارے میں ان کے نقطہ نظر اور مبلغ فکر تک رسائی کے لئے ان کے فارسی کلام کا مطالعہ کرنا ہی ہوگا۔ غالب کی شاعری کی بدولت اُردو نئے نئے محاوروں اور نت نئی ترکیبوں سے روشناس ہوئی نیز انہوں نے اُردو کو اس لائق بنا دیا کہ ہر طرح کے جذبات وخیالات اس میں ادا ہوسکیں۔ اس لئے غالبؔ کے فنی کارناموں کا پتہ لگانے کے لئے ان کے فارسی کلام کا مطالعہ ضروری ہے۔

علاوہ ازیں غالبؔ کے ذہنی ارتقا اور ان کے زاویۂ نگاہ کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی فارسی نثر کو بھی پیش نظر

رکھا جائے ۔ ان کی فارسی نثر نگاری کے نمونے ''پنج آہنگ'' دستنبو'' ''مہر نیم روز'' وغیرہ میں ملتے ہیں ۔ آخر الذکر کتاب قدرے زیادہ اہمیت کی حامل ہے کیونکہ یہ شاہان مغلیہ کی تاریخ ہے اور بہادر شاہ ظفر کی فرمائش پر لکھی گئی مگر یہ غالب کی تصنیف نہیں بلکہ ماخوذ مطالب کی ترجمانی ہے۔ جیسا کہ ان کے اس بیان سے ظاہر ہے: ''مجھ سے انتخابات حالات ممکن نہیں مدعا کتب سیر سے نکال کر اردو میں میرے پاس بھیج دیا کیجئے میں اسے فارسی میں کر کے تم کو دے دیا کروں گا ۔ انہوں نے ابتدائے آفرینش عالم وظہور آدم سے میرے پاس مسودہ بھیجا''۔

(بحوالہ ذکر غالب از مالک رام، ص۔ ۱۴۶)

احتشام حسین صاحب نے اپنے ایک مضمون ''غالب کا ذہنی پس منظر'' میں ''مہر نیم روز'' کو غالب کی وسعت مطالعہ اور تاریخ دانی کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ظاہر ہے عدم تحقیق کے باعث ان سے یہ زبردست چوک ہوگئی۔ بہر کیف غالب نام آورم کی فارسی شاعری ہو یا نثر دونوں تک رسائی کے لئے فارسی کا علم ضروری ہے۔

علامہ اقبال کی فارسی شاعری کا تقاضہ بھی یہی ہے۔ اگر چہ اقبال نے غالب کی طرح اپنی فارسی شاعری کو مرجح قرار نہیں دیا۔ مگر سچ یہ ہے کہ ان کی اردو شاعری سے زیادہ فکر انگیز اور حسین وجمیل ان کی فارسی شاعری ہے۔ ان کا آفاقی پیغام فارسی میں زیادہ شرح وبسط کے ساتھ آیا ہے۔ ان کا فکری نظام بڑا مضبوط اور منظم ہے۔ وہ ایک مستقل نظام حیات کے داعی اور نقیب ہیں۔ انہوں نے ایک آفاقی مقصد کے تحت ہی فارسی کو وسیلہ اظہار بنایا۔ فارسی کا دائرہ اثر ونفوذ اردو کے مقابلے میں بہت زیادہ وسیع تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کا پیغام برصغیر ہی کیا تمام عالم اسلام تک پہنچے۔ اس لئے انہوں نے اپنی فارسی شاعری کو فکر وفن کا حسن وجمال عطا کرنے میں بڑی ریاضت اور اخلاص و انہماک سے کام لیا ہے۔ بلاشبہ اس مقصد عظیم میں ان کو بڑی کامیابی ہوئی۔ علامہ اقبال کا کلام ہمارے نزدیک حصول متاع گم گشتہ اور کیمیائے سعادت سے کم نہیں۔ اس لئے ان کے فکر وفن کا جائزہ لیتے وقت ایک ادبی محقق کے لئے ان کے فارسی کلام کو سامنے رکھنا ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ فارسی زبان وادب کا ستھرا ذوق پیدا کئے بغیر اقبال کا صحیح تجزیہ نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ ان کے مقام کو سمجھا جاسکتا ہے۔ اردو کی ادبی تحقیق میں فارسی کی اس اہمیت کے پیش نظر یہ غور طلب ہے کہ آج کل ہندوستان کی یونیورسیٹیوں میں پی ایچ ۔ڈی کا جو کام ہو رہا ہے اگر اس کا تعلق کلاسیکی ادب سے ہے تو فارسی کے علم کے بغیر کتنا وقیع ہوسکتا ہے۔ بالعموم اردو کے نو جوان محقق فارسی سے نہ صرف نا واقف ہوتے ہیں بلکہ اس ذوق سے ہی بے بہرہ ونا آشنا ہوتے ہیں جو کلاسیکی زبانوں کے علم کی طرف راغب کرتا ہے۔ اس دور میں ڈگری کا حصول مقصود بالذات ہے اور اس کے لئے کسی ذوق کی حاجت عام طور سے نہیں رہ گئی ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ اردو اساتذہ کی نئی کھیپ فارسی سے قطعی بے گانہ ہوتی جارہی ہے۔ قاضی عبد الودود ہوں یا مسعود حسن رضوی، امتیاز علی عرشی ہوں یا مختار الدین احمد آرزو، مالک رام ہوں یا گیان چند جین، ان سب کی کامیابی کا راز یہ ہے کہ یہ اردو کے ساتھ ساتھ فارسی زبان وادب کے بھی عالم وعارف رہے ہیں۔ اس لئے اردو کی ادبی تحقیق کو معتبر وموثر بنانے کے لئے فارسی کا علم ناگزیر ہے۔ آخر میں مشورہ عرض ہے کہ اردو ایم ۔ اے۔ کے نصاب میں فارسی زبان کے علم کو لازمی قرار دینا چاہئے تا کہ فارسی کی ابتدائی استعداد پیدا ہو سکے اور اردو جاننے والا خود اردو زبان کے اس سرمائے کو سمجھنے کے قابل ہو سکے جو فارسی سے ماخوذ اور اردو کا حصہ ہے۔ اس ضمن میں افسوس کی بات ہے کہ ہندوستان کی بعض یونیورسیٹیوں میں ایم۔ اے۔ اردو کے نصاب میں ادبیات فارسی کے پرچے کو خارج کر دیا گیا ہے جو اس سے پہلے لازمی ہوا کرتا تھا۔

☆☆☆

دینی جلسے: چند ضروری اصلاحات اور تجاویز

محمد شہباز عالم مصباحی

آج ہمارے پاس اسلام، ایمان، عقیدہ اور عمل کی صورت میں جو بھی موجود ہے ہمارے اسلاف کی قربانیوں اور خدمات دینیہ ہی کا نتیجہ ہے۔ ملکی، مشربی بام ودر پر ان کی خدمات کے انمٹ نقوش ہماری پیشانیوں پر سرخ روئی کا نشان بن کر ہمیشہ چمکتی رہیں گی اور گردنیں ان کے بارِ احسان سے ہمیشہ جھکی رہیں گی لیکن حالات و زمانہ کی گردش نے ہمیں اس موڑ پر لا کھڑا کیا ہے کہ ہر محاذ پر پھر سے اپنا تشخص برقرار رکھنے کے لیے مؤثر قدم اٹھانے اور جدو جہد کی ضرورت آن پڑی ہے۔

دینی جلسے ہمارے معاشرے میں دینی، اخلاقی اور تعلیمی اصلاح کے اہم ذرائع ہیں۔ یہ محافل مسلمانوں کو ان کے دین، تاریخ اور معاشرتی ذمہ داریوں سے روشناس کرانے کے لیے منعقد کی جاتی ہیں۔ لیکن آج کل یہ جلسے مختلف خرابیوں کا شکار ہو چکے ہیں، جنہوں نے ان کے اصل مقصد کو نقصان پہنچایا ہے۔ ان خرابیوں میں نذرانوں کی غیر ضروری زیادتی، نعرہ بازی، تنظیمی بدانتظامی اور غیر سنجیدہ افراد کی شرکت شامل ہیں۔ ان مسائل کو حل کرنے کے لیے اصلاحات ناگزیر ہیں تاکہ ان دینی اجتماعات کو موثر اور نتیجہ خیز بنایا جا سکے۔

نذرانوں کی اصلاح:

جلسوں میں نذرانے دینا ایک روایت ہے، لیکن اس میں اعتدال اور توازن ضروری ہے۔ بے تحاشا نذرانوں کی وجہ سے غیر مستند اور کم علم مقررین کی بھرمار ہو گئی ہے، جو علم و عمل سے عاری ہیں۔ اس صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے درج ذیل تجاویز پیش کی گئی ہیں:

(۱) مقامی شعرا و خطبا کو کم سے کم ایک ہزار روپے مع زادِ راہ اور زیادہ سے زیادہ تین ہزار روپے دیے جائیں۔ اگر تین ہزار دیے جائیں، تو زادِ راہ کی ضرورت نہیں۔

(۲) بیرونی شعرا و خطبا کے لیے کم از کم تین ہزار اور زیادہ سے زیادہ پانچ ہزار روپے مع زادِ راہ نذرانہ مقرر کیا جائے۔

(۳) مشائخ اور پیران عظام کو دس ہزار روپے مع زادِ راہ دیا جائے تاکہ ان کے سفر کے اخراجات پورے ہو سکیں۔

(۴) ناظم جلسہ (جو مقامی عالم ہو) کے لیے صرف ایک ہزار روپے نذرانہ کافی ہے۔

ان حدود پر عمل کرنے سے جلسوں کے اخراجات متوازن رہیں گے اور غیر سنجیدہ افراد کا رجحان کم ہوگا۔ جلسوں میں زیادہ نذرانے نہ دے کر مدرسوں کے مدرسین اور معلمین کی تنخواہوں میں اضافہ کر کے دینی تعلیم کے نظام کو مضبوط سے مضبوط تر کیا جائے۔

جلسوں کے انتظام و انصرام کے لیے تجاویز:

جلسوں کی موثر تنظیم اور اصلاح کے لیے درج ذیل اقدامات کیے جا سکتے ہیں:

(۱) نعرہ بازی کلچر کا خاتمہ:

جلسوں میں نعرہ بازی سنجیدگی اور مقصدیت کو متاثر کرتی ہے۔ دینی جلسوں کو ہر قسم کے شور و غل اور غیر ضروری جذباتیت سے پاک کیا جائے تاکہ پیغام سنجیدگی سے عوام تک پہنچ سکے۔

(۲) نماز کے اوقات کی مکمل پابندی:

جلسہ گاہ میں نماز باجماعت کا اہتمام ضروری

ہے۔ وقتِ نماز اعلان کیا جائے اور وضو خانے اور بیت الخلاء کی سہولیات فراہم کی جائیں تاکہ لوگوں کو نماز کے دوران کسی دشواری کا سامنا نہ ہو۔

(۳) مستورات کے لیے علیحدہ اور باپردہ انتظام:

عورتوں کے لیے علیحدہ ہال اور پردہ دار ماحول کا انتظام ہو۔ خواتین کے لباس پر خاص توجہ دی جائے اور جلسہ گاہ میں بناؤ سنگھار کی دکانوں پر پابندی لگائی جائے۔

(۴) صالح خطباو شعرا کی شرکت:

صرف علم و عمل کے ساتھ صالحیت اور عشق رسول ﷺ سے سرشار علماء اور شعرا کو جلسے میں مدعو کیا جائے۔ مقامی معتبر علماء کو زیادہ سے زیادہ موقع دیا جائے تاکہ جلسے کے اخراجات بھی کم رہیں اور عوام کو صحیح رہنمائی مل سکے۔

(۵) موضوعات کا تعین:

ہر علاقے کے مسائل کے مطابق جلسے کے موضوعات منتخب کیے جائیں۔ یہ موضوعات معاشرتی اصلاح، تعلیمی تحریک، سیاسی بیداری اور اخلاقی تربیت پر مشتمل ہوں۔

(۶) ہندوستانی مسلم تاریخ کی آگاہی:

ہندوستانی مسلمانوں کو ان کے اسلاف و سلاطین کی تاریخ اور اس ملک کی ترقی میں ان کے کردار سے واقف کرایا جائے تاکہ وہ اپنی اہمیت کو پہچان سکیں اور اپنے سماجی مقام کو بہتر بنانے کے لیے کوشاں ہوں۔

(۷) سیاسی بیداری پیدا کرنا:

جلسوں میں موجودہ سیاسی حالات پر گفتگو کی جائے اور مسلمانوں کو ان کے حقوق و فرائض سے آگاہ کیا جائے تاکہ وہ سیاسی میدان میں فعال کردار ادا کر سکیں۔

(۸) تعلیمی تحریک کا فروغ:

مسلمانوں کو دینی و دنیاوی تعلیم کی اہمیت کا شعور دلایا جائے۔ عوامی مدرسوں کی طرز پر عوامی اسکول بنانے یا مدرسوں کو مدرسہ پلس اسکول کی شکل دینے پر زور دیا جائے تاکہ بچوں کو جدید تعلیم کے ساتھ دینی ماحول فراہم ہو۔

(۹) خانقاہوں کی اصلاح:

خانقاہوں کی زبوں حالی پر گفتگو کی جائے اور انہیں اصلاح و تربیت کے مراکز کے طور پر فعال کیا جائے۔

(۱۰) رفاہی جذبے کا فروغ:

رفاہی کاموں کی اہمیت پر زور دیا جائے اور مسلمانوں کو سماجی خدمت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی ترغیب دی جائے۔

(۱۱) وقت کی پابندی:

جلسے رات ایک بجے تک ختم کیے جائیں تاکہ کسی کی نماز فجر قضا نہ ہو اور رات کی نیند متاثر نہ ہو۔

دینی جلسے قوم کی اصلاح کا ایک اہم ذریعہ ہیں، لیکن ان کا حقیقی مقصد اسی وقت پورا ہوگا جب ان میں اعتدال، نظم و ضبط اور دینی اقدار کو مدنظر رکھا جائے۔ نذرانوں کی غیر ضروری زیادتی اور جلسوں کی بدانتظامی نے ان اجتماعات کو مادیت پرستی کی طرف دھکیل دیا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ علماء، منتظمین اور عوام سب مل کر ان اصلاحات کو عملی جامہ پہنائیں تاکہ دینی جلسے ایک بار پھر قوم کی اصلاح اور تربیت کا موثر ذریعہ بن سکیں۔

(۱۲) ضروری سہولیات کی فراہمی:

جلسے کی منصوبہ بندی کرتے وقت عوام کی بنیادی ضروریات، جیسے کہ صاف پانی، وضو خانے، بیت الخلاء اور صاف ستھری نشست گاہ کا خیال رکھا جائے اور کھانے پینے کے چند ہوٹل بھی لگوائے جائیں۔

☆☆☆

سہ ماہی جام شہود بہار شریف
آپ کی اپنی آواز ہے اسے گھر گھر پہونچانا آپ کی ملی ذمہ داری ہے۔

علماء وائمہ کا وقار انحطاط پزیر ہے؟

محمد شہادت حسین فیضی

کیا آج علماء و ائمہ کا وقار انحطاط پذیر ہے؟ تو جواب ہے، ہاں ہے۔ الا ماشاء اللہ اور اس کے بہت سارے وجوہات ہیں۔ ان میں سے چند کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔

یہاں سب سے پہلے ان دو حقیقتوں کو سمجھیں۔

(۱) ہندوستان کی آبادی ٪70 فیصد گاؤں، دیہات میں رہتی ہے۔ تو مسلمان بھی ٪70 فیصد گاؤں دیہات میں رہتے ہیں۔ اور تقریبا ٪95 فیصد علماء و ائمہ گاؤں دیہات کے ہیں۔ (۲) 95٪ فیصد مدارس شہر اور قصبات میں ہیں اور ان کے مہتمم، منتظم، بانیان، صدر اعلیٰ اور سربراہ اعلیٰ کی اکثریت مالدار، رئیس اور اہل ثروت ہے، انھیں ان تقریبا پنچانوے فیصد گاؤں دیہات میں امامت اور درس وتدریس کے خدمات انجام دینے والے ٪95 فیصد علماء و ائمہ کی حالت زار کا صحیح علم نہیں ہے۔

علماء وائمہ کی زبوں حالی کو بیان کرنے والے وہ واقعات جو ہر دن رونما ہو رہے ہیں۔ ان میں سے صرف تین چشم دید حقیقی واقعہ بیان کرتا ہوں۔ نام پوشیدہ ہے۔

(۱) ایک گاؤں میں تقریبا بیس سال سے امامت کرنے والے امام صاحب کا ایکسیڈنٹ میں پیر ٹوٹ گیا۔ انہوں نے خیر خواہی کے جذبے سے ایک مولانا صاحب کو بلا کر اپنی جگہ رکھا تا کہ تعلیم کا نقصان نہ ہو۔ اب وہ مولانا صاحب سیٹنگ گیٹنگ کر کے خود مستقل امام بن گئے اور بیس سالہ قدیم مجروح امام کو نکلوا دیا۔ (۲) ایک امام صاحب جو پانچ سات سال سے بہترین طریقے پر امامت خطابت اور بچوں کو درس دے رہے تھے۔ انہیں اجمیر شریف جانے کا شوق ہوا اور کچھ دوسرے کام بھی تھے تو انہوں نے ایک ماہ کی چھٹی لی اور خیر خواہی کے جذبہ سے ایک ماہ کے لیے اپنے ایک دوست کو وہاں امام رکھ دیا۔ انہوں نے دوستی کو داغدار کیا۔ اور انہیں نکلوا کر خود کم تنخواہ میں وہیں مستقل طور پر رہ گئے۔ (۳) ایک مسجد میں دس ہزار روپے ماہانہ پر ایک مؤذن صاحب کی بحالی ہوئی ابھی پندرہ دن ہی گزرے تھے کہ آٹھ ہزار روپے ماہانہ پر ایک دوسرے شخص تیار ہو گئے۔ چنانچے دس ہزار والے کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ وہ ایک ماہ میں چلے گئے اور دوسرے دن ہی آٹھ ہزار میں دوسرے مؤذن بحال ہو گئے۔

ایسا ہر دن ہوتا ہے کہ مدرس، امام اور مؤذن صاحب کو کسی نہ کسی بہانے سے نکال باہر کیا جاتا ہے اور دوسرے دن ہی کم تنخواہ میں رکھ لینے کی گزارش کرنے والے آٹھ دس علماء وحفاظ جمع ہو جاتے ہیں۔ اور کم پڑھے لکھے بے نمازی علماء وحفاظ کا انٹرویو لے کر سب سے کم تنخواہ میں کام کرنے والے ملازم کو امام بنا لیتے ہیں۔ ظاہر ہے ایسا کرنے کے لیے جھوٹ، چغلی، غیبت، دھوکہ اور بہتان تراشی جیسے جرائم کا ارتکاب کرنا ہوتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ہم ایسا کیوں کرتے ہیں؟

اس کا سیدھا اور صحیح جواب یہ ہے کہ ہم اس طرح کے گناہ کبیرہ کا ارتکاب ذوق وشوق سے نہیں کرتے۔ بلکہ ہم مجبوری میں ایسا کرتے ہیں۔ ہم جن مدرسوں میں پڑھتے ہیں ان مدرسہ والوں نے احسان اور دین وسنت کے نام پر ہم پر ظلم کیا ہے۔ ہمیں ایسا ناکارہ بنا دیا ہے کہ ہم امامت ومؤذنی کے علاوہ دوسرا کوئی کام کر ہی نہیں سکتے۔ ہر گاؤں میں ایک یا دو مسجدیں ہیں اور پانچ سے دس عالم، حافظ ہیں۔ کہاں امامت کریں گے؟ اور کہاں تراویح پڑھائیں گے؟ گنہگار ہم بھی ہیں اور گنہگار وہ بھی ہیں جنہوں نے ہمیں ایسا بنایا کے ہم

صرف چند سکوں کے لیے۔ پتہ نہیں کیا کیا کرتے ہیں۔

ہمیں یہ تو پڑھایا کہ اللہ پر توکل چاہیے لیکن اس راہ پر عملی تربیت جو ہونی چاہیے تھی نہیں کی گئی۔ جس کا نتیجہ ظاہر ہے۔ دوسری طرف ہمارے گھر والے اور خود بھی یہ سمجھ بیٹھے کہ اب کسی اور میدان میں ہمیں کسب علم و عمل کی ضرورت نہیں۔

قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا (سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر 84)

ترجمہ: اے نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم آپ کہہ دیجیے کہ ہر عمل کرنے والا اپنی طبیعت اور اپنی پسند سے عمل کرتا ہے۔ پس تمہارا پروردگار ہی زیادہ جانتا ہے کہ سب سے زیادہ صحیح راستے پر کون ہے۔

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ قرآن مقدس کی یہ آیت کریمہ مجھے سب سے زیادہ پسند ہے کہ ایک ہماری ذات ہے جسکی سرشت اور طبیعت میں گناہ کرنا شامل ہے۔ تو ہم سے گناہ ہوتے ہی رہتے ہیں اس لیے میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ میں گنہگار ہوں۔ اور ایک وہ اللہ تعالی رب العزت کی ذات اقدس سبحانہ و تعالی ہے جو رحمن، رحیم، ستار اور غفار ہے۔ جو ہمیں معاف کرتا رہتا ہے۔ اور ہمیں تو بس اسی پہ بخشش کی امید ہے۔ الحمدللہ۔

وہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ جن کی فضیلت ہر جمعہ کو خطبے میں ہم سنتے ہیں کہ آپ افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق ہیں۔ یعنی انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں میں آپ رضی اللہ تعالی عنہ افضل و اعلی ہیں۔ اس کے باوجود وہ فرماتے ہیں کہ ''میں گنہگار ہوں'' اور اپنی خطاؤں پر رو رو کر اعلانیہ طور پر اللہ تعالی سے معافی مانگتے ہیں۔ اور خفیہ طور پر ندامت کے جو آنسو بہاتے تھے وہ بیان سے باہر ہے۔ بے شک یہ مومن کامل کی صفت ہے کہ وہ صحیح اور صحیح راستہ پر ہونے کے باوجود خود کو خطا کار مانتا ہے۔ اور دوسروں کو اپنے سے اچھا سمجھتا ہے۔ دوسروں کی طعن و تشنیع اور مخالفتوں کو برداشت کرتا ہے۔ اس کے برعکس شیطان لعین اور شیطانی صفت کے لوگوں کی ناپسندیدہ اور کریہہ عادت جو ہوتی ہے کہ وہ غلط ہونے کے باوجود خود کو سب سے زیادہ صحیح کہتا ہے۔ اور اپنے علاوہ سب کو خطا کار، گنہگار اور گمراہ کہتا ہے۔ العیاذ باللہ تعالی۔

قرآن مقدس کی مذکورہ آیت کریمہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی سیرت طیبہ اس کے بعد شیطان لعین جو ہمارا کھلا ہوا دشمن ہے کی عادت کریہہ پر غور وفکر کرنے کے بعد جب ہم اپنا جائزہ لیتے ہیں تو ہم خود کو حقیقی اعمال صالحہ سے بہت دور پاتے ہیں۔ اور یہ جو ظاہری روزہ، نماز، وضع قطع، جبہ و دستار ہیں یہ سب دکھاوا اور ریاکاری لگتے ہیں۔ اور حد تو یہ ہے کہ بعض مواقع پر ہم کھلم کھلا گناہوں میں ملوث ہوتے اور ہم یہ گناہ اسٹیج پر بھی کرتے ہیں ساتھ ہی ساتھ مسجد و محراب میں بھی کر رہے ہوتے ہیں۔ عوام سب دیکھ رہی ہوتی ہے۔ اس کے باوجود ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمیں کوئی گنہگار کہہ کر توہین نہ کرے۔ ہمیں گنہگار کہنے والا دین سے نکل جائے گا۔ پھر اس کے بعد ہم اپنے علماء گروپ سے بھی کہتے ہیں کہ ''یہ باتیں عوام میں نہیں آنی چاہیے کہ اس سے علماء کا وقار ختم ہو جائے گا۔'' مثلا ہم میں سے کچھ لوگ ہیں جو مدرسہ کے نام پر، مسجد کے نام پر حتی کہ قرآن مقدس کے ہدیہ کے نام پر چندہ کرتے ہیں۔ اور کھا جاتے ہیں۔ بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ کسی مدرسے میں مدرس ہیں تو خود نماز کے پابند نہیں ہیں اور نماز نہ پڑھنے والے بچوں کو ''ترک نماز کی سزا دیتے ہیں''۔ اور اگر وہ کسی مسجد کے امام یا نائب امام ہیں۔ تو جہاں ہیں وہاں تو نماز پڑھتے ہیں۔ اور ترک نماز پر جہنم کی وعیدیں بھی سناتے ہیں لیکن وہی امام صاحب جب گھر یا کہیں اور جاتے ہیں تو نماز چھوڑ دیتے ہیں۔ اسٹیج پر ہم ہر طرح کی نیکیوں کی دعوت دیتے ہیں اور عوام کو گناہوں سے روکتے ہیں اور اسٹیج سے اترنے کے بعد پتہ نہیں ہم کس قدر گناہوں میں ملوث ہوتے ہیں کہ میں

اسے بیان نہیں کرسکتا۔ الا ماشاء اللہ۔ الامان والحفیظ۔

اس کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم عوام سے ڈرتے ہیں اور اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ جب سے ہمارا داخلہ مدرسے میں ہوتا ہے۔ اس وقت سے فارغ التحصیل ہونے تک ہر دن ہمیں صدر صاحب، سیکریٹری صاحب اور عوام سے ڈرایا جاتا ہے۔ مثلاً اساتذہ ہم سے کہتے ہیں بغیر ٹوپی کے باہر نہیں جانا ہے۔ عوام کیا کہے گی؟ نماز پابندی سے پڑھو۔ لوگ دیکھیں گے۔ تو چندہ نہیں دیں گے۔ پھر مدرسہ کیسے چلے گا؟ جو بھی راستہ میں ملے انہیں سلام کیا کرو۔ نہیں تو لوگ بدظن ہو جائیں گے۔ اور اس کا مدرسہ پر خراب اثر پڑے گا۔ مدرسہ کے صدر صاحب، سکریٹری صاحب اور اراکین بھی گاہے بگاہے ہمیں سمجھاتے رہتے ہیں۔ مثلاً دولڑکے شام کو وہاں دکان کے پاس کھڑے تھے لوگ چندہ اسی لیے دیتے ہیں کہ دکان کے پاس کھڑے رہیں؟ فلاں صاحب جن کے یہاں کل قرآن خوانی تھی وہ شکایت کر رہے تھے کہ تم لوگ بات کر رہے تھے۔ تم لوگوں کو معلوم نہیں وہ سال میں پانچ ہزار کی زکوٰۃ دیتے ہیں۔ مدرسہ بند کرا دو گے کیا؟۔ الغرض دس سے پندرہ سال کی تعلیم و تربیت کے دوران ہمیں صرف عوام سے ڈرایا جاتا ہے۔ اور ہم عوام سے ایسے خوف زدہ ہوتے ہیں کہ فراغت کے بعد بھی ڈرتے رہتے ہیں۔

مذکورہ طرز سے ہماری تربیت کے بجائے اسلامی اخلاق و آداب کی روشنی میں نصیحت کرتے ہوئے بزرگان دین، سلف صالحین کی زندگی سامنے رکھنے اور طالبان علم شریف کو کیسا ہونا چاہیے بتانے کی ضرورت تھی اور کہنا چاہیے تھا کہ کل قوم کی لگام تمہارے ہاتھوں میں ہوگی لہٰذا تمہاری زندگی سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آئینہ دار ہونی چاہیے۔

جو نیکوکار ہیں یا گناہوں سے معصوم ہیں مثلاً انبیاء کرام علیہم السلام میں سے ہر نبی و رسول نے اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي کہا۔ ہمارے آقا سرور کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کثرت سے استغفار پڑھا کرتے تھے۔ اس کے برعکس اور پوری کائنات کا سب سے بڑا مجرم ابلیس لعین۔ خود کو انبیاء علیہم السلام سے بہتر کہتا ہے (اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ)۔

ہم دراصل احساس کمتری کے شکار ہیں نتیجتاً خود کو دوسروں سے برتر بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اور اگر علماء کے درمیان کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا ہے تو یہ عین فطرت کا تقاضا ہے۔ اور اگر اختلاف کرنے والوں کی نیت صحیح ہے تو ان میں سے کوئی فریق بھی گمراہ و بے دین نہیں ہے۔ بلکہ بر بنائے صحت نیت سبھی ہدایت پر ہیں اور ان میں سب سے زیادہ ہدایت پر کون سا گروپ ہے۔ اس کا صحیح اور بہتر علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے جیسا کہ مذکورہ آیت کریمہ کے آخری حصہ میں ہے کہ:

ترجمہ: تمہارا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ تم میں سے زیادہ ہدایت پر کون ہے۔ (اختلافی مسائل کی بنیاد پر) اب ایسے لوگ جو صرف اپنے آپ کو ہی صحیح کہتے اور دوسرے تمام لوگوں کو گمراہ و بے دین کہتے ہیں وہ دراصل خود ہی گمراہ ہیں۔

کیا کیا دلوں کا خوف چھپانا پڑا ہمیں
خود ڈر گئے تو سب کو ڈرانا پڑا ہمیں
اپنے ایک دیئے کو چاند بتانے کے لیے
بستی کا ہر چراغ بجھانا پڑا ہمیں

دُنیا اور دُنیا کے لوگوں سے ڈر اور خوف جس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی خود غرضی یہ سب انسانیت اور انسانوں کے لیے ہلاکت خیز بیماریاں ہیں۔ جس کی تباہی و بربادی سے دو چار ہو کر ہم انحطاط پذیر ہیں۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ ہمارے زخموں اور مجروح اعضاء پر یہ کہہ کر نمک پاشی کی جاتی ہے کہ یہ ہمارے رہبر اور رہنما ہیں۔ ہمارے امام ہیں اور مدارس کے معلمین ہیں۔ دیکھو وہ کیا کر رہے ہیں؟ اور کیسے کر رہے ہیں؟

وہ ذوی الاحترام عہدے، منصب اور القابات جو ہمارے اسلاف کے لیے کبھی شان و عظمت کی علامتیں ہوا کرتی تھیں، آج ہمارے لیے طعن و تشنیع اور ضرب المثل کے الفاظ ہو گئے ہیں۔ مثلاً:

(۱) اسٹیج سے لڑائی جھگڑے کے انداز میں ناسمجھ میں آنے والی گرجدار اور کریہہ آواز جب شریفوں اور پیاروں کے کانوں سے ٹکراتی ہیں۔ تو بس صرف ان کی آہ ہی نکلتی ہے اور طنز سے کہتے ہیں کہ وہ دیکھو یہ فلاں علامہ ہیں جو قوم وملت کو دھوکا دے رہے ہیں۔

(۲) رنگ برنگ کی ٹوپی اور کرتا کے ساتھ جب گویوں اور جوکروں کی ٹولی جو کسی نہ کسی مدرسے کی علامتی تخلص کے ساتھ گھنٹوں ممبر رسول کی حرمت پامال کر رہے ہوتے ہیں۔ اس وقت بھی تعلیم یافتہ شریف لوگ اور دین و سنت کو سیکھنے کی نیت سے آنے والے حضرات یہ کہہ کر رخصت ہونے لگتے ہیں کہ جو وعظ ونصیحت سننے کا وقت تھا وہ تو برباد ہو گیا، اب یہاں کیا رکھا ہے؟

(۳) کیا، یہ صحیح نہیں ہے؟ کہ ہم اپنی غلط روی کی وجہ سے منزل سے بہت دور ہو گئے ہیں؟ ہاں، یہ بھی صحیح ہے کہ ہم میں سے کچھ لوگوں کی دنیا چمک رہی ہے، لیکن آخرت کے لیے ان کے پاس بھی کچھ نہیں ہے۔ وہ کون سی عبادت و ریاضت اور دین وسنت کی خدمات ہیں جو ریا وسمہ سے پاک ہیں؟ جو خالصتاً لوجہ اللہ ہے؟

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برق طبعی نہ رہی، شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسم اذاں، روح بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا، تلقین غزالی نہ رہی
جلسوں کی روحانیت ختم ہو گئی۔ صرف تماشہ، ریاکاری، مکاری رہ گئی ہے، العیاذ باللہ۔ الا ماشاء اللہ۔

اپنے ایک دیئے کو چاند بتانے کے لیے
بستی کا ہر ایک چراغ بجھانا پڑا ہمیں

جلیل ہادی صاحب کا یہ شعر جب میں پڑھتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ شعر ہم لوگوں کے لیے ہی لکھا تھا۔ کیا یہ صحیح نہیں ہے؟ کہ ہم صرف اپنے ایک مدرسہ کو عظیم جامعہ (یونیورسٹی) اور بین الاقوامی سطح کا ادارہ بتانے کے لیے سینکڑوں مدارس کے پڑھائے ہوئے بچوں کو ہائی جیک کر کے داخلہ لیتے ہیں اور پھر ان بچوں کو اپنا پڑھایا ہوا طالب علم کہہ کر قوم کے سامنے پیش کرتے ہیں تا کہ ہمارا اور ہمارے ادارے کی شہرت و ناموری ہو۔ شاید ہم ایسا کر کے ان سیکڑوں مدارس کا گلا گھوٹ رہے ہوتے ہیں، جو سو دو سو روپے کا چندہ کر کے انتہائی جانفشانی کے ساتھ کم وسائل میں بھی دین وسنت کی خدمت کر رہے ہیں۔

اور ٹھیک ایسا ہی ہم میں سے جو بڑے ہیں، خواہ وہ بڑے علمائے کرام، مدارس کے معلم ہوں یا شاعر وخطیب ہوں یا امام مسجد۔ ہم صرف ایک اپنی ذات کو چمکانے کے لیے اور خود کو فقیہ اعظم، مرشد اعظم یا شاعر اسلام اور خطیب اعظم بنا کر پیش کرنے کے لیے کبھی کسی کی جاسوسی کرتے ہیں، عیب جوئی کرتے ہیں اور پھر غیبت اور بہتان تراشی کر کے، کسی کو صلح کلی، کسی کو فاسق، گمراہ اور کافر ومرتد تک کہہ دیتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ، العیاذ باللہ۔

ان کاموں کو کرتے وقت یہ تصور کرتے ہیں کہ کوئی نہیں جانتا۔ میرے بھائی عوام اندھی نہیں ہے وہ سب کھلی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے اور آپ سے متنفر ہو رہی ہے۔ آپ کا وقار داؤ پر لگا ہوا ہے۔ جبکہ ہمیں یہ چاہیے کہ ہمہ وقت اس خیال کو مدنظر رکھیں کوئی دیکھے نہ دیکھے خدا ضرور دیکھ رہا ہے۔ اور کل بروز قیامت ہمیں اس کے حضور حاضر ہونا ہے اور جواب دہ بھی۔ کس منہ سے اس کی عدالت میں ہم حاضر ہوں گے اتنا خیال تو ضرور چاہیے۔

یا اللہ! اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے ہم سب کو ان موذی اور مہلک امراضِ ہوا و ہوس سے شفاء عطا فرما۔ ہم سب کو اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ دین وسنت کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرما۔ بے شک تو ستار وغفار ہے اور کارساز و مالک ہے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ تحیۃ والتسلیم۔

☆☆☆

خود اپنے گھر کی ہوا نے بجھا دیا ہے مجھے!

ڈاکٹر غلام زرقانی

آج مجھے آپ سے وہ کہنا ہے، جس کے تانے بانے میں گذشتہ کئی سالوں سے تیار کر رہا ہوں۔ نہ تو قنوطیت و مایوسی کی سرد مہری ہمیں حالات کے درست تجزیے تک پہنچا سکتی ہے اور نہ ہی جذبات کی گرمی ۔ اس لیے مختلف زاویے سے موجودہ مسائل کی تہہ تک پہنچنے کی سنجیدہ کوشش کرنی چاہیے۔ آگے بڑھنے سے پہلے دست بستہ عرض ہے کہ خدارا اسے مکمل پڑھیے اور جلد بازی میں کوئی رائے قائم نہ کیجیے۔ بہت ممکن ہے کہ آپ صد فی صد میرے تجزیے سے متفق نہ ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ میری کچھ باتیں آپ کے طبع نازک پر گراں گزریں، تاہم مجھے قوی امید ہے کہ آداب اختلاف کا لحاظ بہر حال قائم رکھا جائے گا۔

پہلے تو یہ تمہید پردۂ ذہن پر مرتسم کر لیجیے۔ دنیا میں کوئی بھی چیز بظاہر دو طریقوں سے حاصل کی جاتی ہے۔ پہلا فطری ضابطے کے ذریعہ اور دوسرا معجزات و کرامات کے ذریعہ۔ اب چونکہ معجزات انبیاء کرام کے ساتھ خاص ہوتے ہیں اور مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرما جانے کے بعد اب دوسرے نبی کی آمد کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند ہو چکے ہیں، اس لیے دوسرا طریقہ صرف کرامات تک محدود سمجھا جائے۔ فطری ضابطے سے میری مراد یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے ہر چیز کے حصول کے لیے ایک طریقہ مقرر کر رکھا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی گیہوں اور چاول کی طلب رکھے، تو اسے چاہیے کہ سب سے پہلے وہ زمین تیار کرے، پھر دھان کے چند دانے زیر زمین دبائے ، پھر کھاد اور مناسب پانی کے ذریعہ اسے غذا فراہم کرتا رہے۔ چند ایام کے بعد چند کمزور و نحیف کونپلیں نمودار ہوں گی۔ اب وقفے وقفے سے ان کے اردگرد خود رو گھاس صاف کرتا رہے۔ کئی ہفتوں کے بعد جب وہ کسی قدر بلند ہو جائیں، تو بالیاں دکھائی دیں گی، جو قدرے موٹی ہوتی چلی جائیں گی۔ پھر جب فصل تیار ہو جائے اور انھیں کاٹ کر چھلکوں سے علیحدہ کر دیا جائے، تو مطلوبہ گیہوں اور چاول میسر آتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی پانی حاصل کرنا چاہتا ہے، تو فطری طریقے کی راہنمائی میں اسے زمین سے چند فٹ کی گہرائی تک پائپ ڈالنا پڑتا ہے، تب کہیں جا کر اسے صاف و شفاف پانی میسر آتا ہے۔

غرض یہ کہ اللہ رب العزت نے جس چیز کے لیے جو فطری ضابطہ تیار کر رکھا ہے، اس کے مطابق عمل کرنے سے وہ چیز حاصل ہو جاتی ہے۔ اور معجزات و کرامات سے میری مراد یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے جو فطری ضابطہ تیار کر رکھا ہے، اسے وہ اپنے انبیاء کرام اور اولیاء عظام کے لیے بسا اوقات پرے رکھ دیتا ہے اور خلاف ضابطہ مطلوبہ چیز عطا فرما دیتا ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے لذیذ کھانے کا دسترخوان، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کی برکت سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑنا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے گھر میں ایک صاع آٹے میں لعاب دہن کی برکت سے غیر معمولی اضافہ ہو جانا وغیرہ ۔ اور کرامات، جیسے حضرت آصف بن برخیا کا کئی سو میل کے فاصلے ملکہ بلقیس کا تخت پلک جھپکتے ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں حاضر کر دینا وغیرہ۔

اب ذرا آپ اپنے اردگرد ایک نگاہ ڈال لیجیے اور دیکھیے کہ کتنی چیزیں ہمیں فطری ضابطے کے مطابق حاصل ہوتی ہیں اور کتنی چیزیں معجزات و کرامات کے ذریعہ۔ آپ

یہ تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ دونوں کے درمیان تناسب کی تعیین بہت مشکل ہے، بلکہ یوں کہہ لیجیے کہ ایک ہزار چیزوں میں سے شاید ہی کوئی ایک چیز ہمیں کرامات کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ معجزات وکرامات کے برحق ہونے اور اس پر یقین کامل رکھنے کے باوجود ہمیں روزمرہ کی زندگی میں ایک ہزار چیزوں میں سے شاید ہی کوئی ایک چیز کرامات کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ عملی طور پر ہم اسے تسلیم بھی کرتے ہیں۔ کوئی ایسا شخص نہیں ملے گا جو زمین کے سینے میں بیج دفن کیے بغیر ہی اچھی فصل کے حصول کی آس لگائے بیٹھے۔ ٹھیک اسی طرح اگر کسی نے پیشہ وارانہ تعلیم حاصل نہیں کی ہے، تو وہ اس امید پر اپنی کوششیں کرتا ہوا دکھائی نہیں دیتا کہ مجھے میڈیکل، انجینئرنگ اور جہاز رانی کے میدان میں کوئی اچھی نوکری مل جائے۔

تصویر کا یہ رخ صاف ہوجانے کے بعد دل تھام کر سنیے کہ عام طور پر ہم ہر چیز فطرت کے بنائے ہوئے ضابطے کے مطابق حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو ملی فتح ونصرت اور اجتماعی مشکلات کے حل کے لیے اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے فطری ضابطے کا سہارا کیوں نہیں لیتے؟ قدرے وضاحت کے ساتھ عرض کروں کہ ہندوستانی سرزمین پر سارے مسلمان اچھی طرح سمجھ رہے ہیں کہ فرقہ پرست طاقتیں ہمارے وجود کو مٹانے کے درپئے ہیں۔ لہٰذا اس بڑی مشکل سے نجات کے لیے فطری ضابطے کے مطابق سب سے مؤثر ہتھیار یہ ہے کہ انتخابات کے دوران ہر شخص اپنے حق رائے دہندگی کا استعمال کرے۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ مسلم علاقوں میں ووٹ دینے کا فیصد نہایت ہی کم ہوتا ہے۔ پرامن احتجاج کے اپیلیں کی جائیں تو دال میں نمک کے برابر سے بھی کم مسلمان سڑکوں پر نکلتے ہیں۔ اعلیٰ کردار کے ذریعہ دلوں کو فتح کرنے کی بجائے ہمارے شب وروز نہایت ہی پست کردار کی سرگوشی کرتے ہیں۔ صنعت وحرفت اور پیشہ وارانہ تعلیم میں سنجیدہ کوششوں کی بجائے دنیاوی عیش وعشرت اور ظاہری نمود ونمائش ہمارے معمولات میں تبدیل ہوچکے ہیں۔

ایک اور مثال سامنے رکھیے۔ دوسالوں پہلے حماس نے سیاحوں اور مقامی یہودیوں پر حملہ کیا۔ کیا حماس کے ذمہ داران ماضی کے تجربات کے آئینے میں یہ نہیں جانتے تھے کہ اسرائیل زبردست بدلہ لے گا۔ اور کیا یہ حقیقت بھی ان کی نگاہوں سے پوشیدہ تھی کہ نہ تو عالم اسلام ان کی حمایت ونصرت کے لیے آگے بڑھے گا اور نہ ہی عالمی طاقتیں ان کے بنیادی مسائل حل کرنے کے لیے کوئی اقدامات کریں گی۔ سب کچھ جانتے ہوئے بھی حماس کا یہ اقدام کیا فطری ضابطے کے آئینے میں اپنے مسائل حل کرنے کی کوششوں سے صریح اعراض نہیں ہے؟

صاحبو! کبھی فرصت کے لمحات میسر آئیں تو میری معروضات پر سنجیدگی سے غور کریں تو محسوس ہوگا کہ نہ جانے کیوں ہم نے فطری ضابطے کے ذریعہ مقاصد واہداف تک پہنچنے کی کوششیں ترک کردی ہیں اور معجزات وکرامات سے کلی آس لگائے بیٹھے ہیں۔ جذباتیت کی رو میں مسلم معاشرہ کچھ اس طرح بہہ رہا ہے کہ لمحہ بھر کے لیے بھی ملی اور اجتماعی مسائل کے حل کرنے کی طرف سنجیدہ توجہ دینے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتا۔ یاد رکھیے کہ فطری ضابطہ بھی اللہ رب العزت نے بنایا ہے اور یہ ہمارے لیے بھی ہے اور دوسروں کے لیے بھی۔ اگر کوئی غیر مسلم زمین کے سینے میں ایک دانہ ڈالتا ہے، تو زمین یہ نہیں دیکھتی کہ اسے کس نے بویا ہے؟ اس لیے یہ تسلیم کیجیے کہ روئے زمین پر غیروں نے ہمارے خلاف جو طرح طرح کے محاذ کھول رکھے ہیں، ان کے مقابلے کے لیے سب سے پہلے فطرت کے بنائے ہوئے ضابطے کے مطابق مناسب اقدامات کیے جائیں، پھر بلا شک وشبہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں غیبی امداد وتصرف کی التجائیں کی جائیں۔

☆☆☆

نعتیں

سلام اس ذات اقدس پر سلام اس فخر دوراں پر
ہزاروں جس کے احسانات ہیں دنیائے امکاں پر

سلام اس پر کہ آیا رحمۃ اللعالمیں بن کر
پیام دوست لے کر صادق الوعد و امیں بن کر

سلام اس پر بنایا جس نے دیوانوں کو فرزانہ
مئے حکمت کا چھلکایا جہاں میں جس نے پیمانہ

بڑے چھوٹے میں جس نے اک اخوت کی بنا ڈالی
زمانے سے تمیز بندہ و آقا مٹا ڈالی

سلام اس پر جو ہے آسودہ زیر گنبد خضرا
زمانہ آج بھی ہے جس کے در پر ناصیہ فرسا

سلام اس ذات اقدس پر حیات جاودانی کا
سلام آزادؔ کا آزادؔ کی رنگیں بیانی کا

جگن ناتھ آزادؔ

حمد الٰہی عین عبادت
نعت نبی تحدیث نعمت

رب دوعالم کی ہے اطاعت
طاقت صاحب تاج رسالت

ثروت دنیا نعمت عقبیٰ
ہوتی ہے حاصل ان کی بدولت

خیر الناس ہیں ہادیٔ برحق
خیر الامم ہے آپ کی امت

احمد مرسل شافع محشر
ساقیٔ کوثر مالک جنت

ہم ہیں سراپا پیکر عصیاں
للہ کیجیے آقا شفات

خلوت و جلوت میں فیضیؔ کو
آپ کی ہو للہ زیارت

عبدالمجید فیضیؔ سمبلپوری

یہ جنبش مہ و انجم تری نگاہ کرم
دھڑک رہا ہے ترے دم سے ہی دل عالم

ہے تیرا سینہ کہ گنجینۂ رموز قدم
زبان پاک تری کاشف جمیع کلم

شکستہ دل ہوں، پریشان ہوں، بیقرار ہوں میں
تڑپ رہا ہوں ترے ہجر میں شفیع امم

بنادے دل کو مرے شمع عشق کا فانوس
ہو تری یاد سے تابندہ بزمِ جاں پیہم

شار حافظؔ شیدا ہے یاشہ لولاک
نگاہ لطف و عنایت ہو رحمت عالم

طفیل احمد حافظؔ سمبلپوری

بڑی پُر درد ہے اپنی کہانی قبلۂ عالم
بنے جنت بداماں زندگانی قبلۂ عالم

تمہاری ذات کی رُویت ہے رویت ذاتِ باری کی
بتاتی ہے حدیثِ ''من رآنی'' قبلۂ عالم

ہر اک ذرّہ جہانِ رنگ و بو کا جو منوّر ہے
''تمہارے نور کی ہے ضو فشانی قبلۂ عالم''

عنایت کی نظر کیجے خدا را کہ پلٹ آئے
مسلمانوں کا دورِ شادمانی قبلۂ عالم

ملے توفیق ایسی کہ سدا کرتا رہے احمدؔ
ادب کے ساتھ تیری مدح خوانی قبلۂ عالم

طفیل احمدؔ مصباحی

آہ! قاری تاج الدین خوشتر سہسرامی

رپورٹ: حافظ محمد توصیف اصدقی

مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف بہار شریف میں خوشتر سہسرامی صاحب مرحوم کے انتقال پر تعزیت کے اظہار کے لیے مجلس ایصال ثواب منعقد ہوئی ،قرآن خوانی دعا خوانی کے بعد لوگوں نے اپنے صدمے کا اظہار کرتے ہوئے ان کے محاسن وخوبی کا اعتراف کیا۔

شاعر اہلسنّت قاری محمد تاج الدین خوشتر سہسرامی جو ہندوستان کے مشہور شاعر اور ملنسار انسان تھے ان کا دنیا سے جانا ملت کے لئے عظیم صدمہ ہے ان کا انتقال ۱۹/جون بروز جمعرات ٹیمپو اکسیڈنٹ ضلع روہتاس میں ہوا تھا اس موقع پر عالمی شہرت یافتہ خطیب مشہور ومعروف عالمِ دین خطیب الاسلام حضرت علامہ مولانا سید شاہ رکن الدین اصدق چشتی بانی وسربراہ مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف بہار شریف وخانقاہ بشیریہ اصدقیہ کے سجادہ نشیں نے مشہور شاعر حضرت قاری محمد تاج الدین خوشتر سہسرامی کے انتقالِ پر گہرے رنج والم کا اظہار کیا علامہ موصوف نے کہا کہ تاج الدین خوشتر سہسرامی ایک اچھے قاری کے ساتھ بااخلاق انسان بھی تھے انہوں نے مرکزی درسگاہ مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف بہار شریف میں جب تک رہے اس کی فلاح وبہبود کے لئے ہمیشہ کوشاں رہیں اللہ تعالیٰ ان کی دینی خدمات قبول فرمائے۔

اس موقع پر مفکر اسلام حضرت علامہ سید شاہ سیف الدین اصدق چشتی بانی وسربراہ تحریک پیغامِ اسلام جمشید پور ولی عہد خانقاہ بشیریہ اصدقیہ پیر بیگھہ شریف نالندہ نے کہا کہ ان کے انتقال کی خبر سن کر دل پر اضطراب کی ایک کیفیت پیدا ہوگئی مگر موت برحق ہے علامہ موصوف نے کہا کہ قاری صاحب سے ہمارا تعلق گہرا تھا اس لئے کہ وہ ہم مزاج انسان کے ساتھ اپنی شرافت طبع اصول پسندی سادگی اور ایمانداری کی وجہ سے عوام الناس میں مشہور تھے ولی عہد نے کہا کہ وہ ایک مشہور نعت خواں اور عاشق رسول ﷺ تھے بارہا جلسوں میں ملاقات ہوتی رہیں علامہ موصوف نے قاری محمد تاج الدین خوشتر سہسرامی کی اہل خانہ سے تعزیت کا اظہار کرتے ہوئے صبر کی تلقین کی اور دعا کی کہ الہ العالمین مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

اس موقع پر صوبہ بہار کا مشہور ومعروف مرکزی درسگاہ مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف پکی تالاب بہار شریف کے مہتمم علامہ سید شاہ نورالدین اصدق چشتی چیف ایڈیٹر جام شہود نے کہا کہ قاری محمد تاج الدین خوشتر سہسرامی کے ساتھ زمانہ طالب علمی سے ہی ہمارا گہرا تعلق تھا اور انہوں نے ایک مدت تک مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف بہار شریف میں درس وتدریس کا کام بحسن وخوبی انجام دیا مولانا موصوف نے کہا کہ مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف کے قیام کے چند سال بعد بحیثیتِ قاری آپ کی بحالی ہوئی اور بڑی محنت اور لگن کے ساتھ بچوں کی مستقبل آپ نے سنوارا قاری صاحب کی پوری زندگی تعلیم و تدریس اور اشاعت دین کے لئے وقف رہی آپ کی خصوصیت پنج وقتہ باجماعت نمازوں کی پابندی وقت پر درس میں حاضر ہونا خلوص کے ساتھ لوگوں سے ملنا وغیرہ یقیناً آپ کی وفات عظیم سانحہ اور ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے مدرسہ اصدقیہ کے مہتمم اور تمام اساتذہ کی طرف سے تعزیت کا اظہار کیا گیا اور دعا کی گئی کہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرما اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آمین

☆☆☆

15,16,17,18,19
SEPT. 2025

واں 118 سالانہ

عرس

بتاریخ
۲۱ تا ۲۵ ربیع الاوّل
۱۴۴۷ھ

مطابق
۱۵ تا ۱۹ ستمبر
۲۰۲۵ء

امام المرشدین محبوب فخر العارفین قطب العالمین اسد جہانگیری

حضرت خواجہ محمد نبی رضا شاہ المعروف دادا میاں رح

قادری، چشتی، ابوالعلائی، جہانگیری

پروگرام

۱۵	ستمبر بروز پیر	قرآن خوانی بعد نماز فجر	محفل میلاد و طرحی مشاعرہ بعد نماز عشاء
۱۶	ستمبر بروز منگل	سکارئی چادر بعد نماز عصر	حلقۂ ذکر و محفل سماع بعد نماز عشاء
۱۷	ستمبر بروز بدھ	عالمی سیمینار ۱۰:۳۰ بجے	حلقۂ ذکر و محفل سماع بعد نماز عشاء
۱۸	ستمبر بروز جمعرات	۱۰:۳۰ بجے قل شریف، بعدہٗ رنگ محفل	حلقۂ ذکر و محفل سماع بعد نماز عشاء
۱۹	ستمبر بروز جمعہ	۱۰:۳۰ بجے قل شریف، بعدہٗ رنگ محفل	غسل شریف و صندل شریف بعد نماز عصر، غیر طرحی مشاعرہ بعد نماز عشاء

مصرع طرح

عشاق محمد میں بڑا نام ہے ان کا
قافیہ۔نام،کام،دام ردیف۔ہے ان کا

علی کی سچی محبت کے ترجماں ہیں رضا
قافیہ۔ترجماں،خوش گماں ردیف۔ہیں رضا

گیارہواں عالمی سیمینار

بعنوان

آداب طریقت اور شاہ رضا

بتاریخ ۱۷ ستمبر ۲۰۲۵ء بروز بدھ بوقت ۱۰:۳۰ بجے دن

حضرت محمد صباحت حسن شاہ

سجادہ نشین/متولی

- پیش کردہ -

غلامان حضرت صوفی سعید احمد شاہ فصاحتی رحمتہ اللہ علیہ (م ۱۴۰۹ھ) سعید نگر برسڑا شریف غازی پور

Quarterly

JAME-E-SHOHOOD

Jul to Sep 2025
Vol-03 Sl.No-30

MADRASA ASDAQIA MAKHDOOM SHARF
PAKKI TALAAB, BIHAR SHARIF,
NALANDA - 803101

D. NO. 63/85
R. NO. 62017/94

Editor: S. N. Asdaque
Mob. 9835228582
Email:Jshohood01@gmail.com
Jameshohood01@rediffmail.com

مسلمانانِ عالم کی بے حسی اور زبوں حالی کا آئینہ اور اہم گذارشات پر مشتمل کتاب

عہدِ حاضر اور مسلمان

سید سیف الدین اصدق چشتی صاحب کے گوہر فشاں قلم سے جلد ہی منظر عام پر آ رہی ہے

یہ کتاب تقریباً 300 صفحات پر مشتمل ہے جس میں 50 سے زائد ذیلی عناوین اور سلگتے مسائل پر عقلی و نقلی دلائل کی روشنی میں دعوت فکر دی گئی ہے۔ ہر سمجھ دار اور صاحب شعور مسلمان کو خود احتسابی کے ساتھ اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔

نوٹ: مکتبہ چلانے والا کوئی بندۂ خدا اس کی اشاعت کا بیڑہ اٹھالے تو سبحان اللہ —— کیوں کہ اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچانا ہمارا مقصد ہے اور بس!

ویسے بھی ہمارے ادارے اور خانقاہ سے شائع ہونے والی کسی کتاب کا مقصد تجارت نہیں ہوتا۔

ناشر

الاصدق اکیڈمی و پیغام اسلام پبلیکیشنز

پیغام اسلام مسجد و اسلامک سینٹر، گلاب باغ، فیس ۲، پرڈیہہ روڈ، مانگو، جمشید پور (جھارکھنڈ) ۸۳۱۰۱۲

Paigham-e-Islam Masjid & Islamic Center, Gulab Bagh, Phase-2,
Pardih Road, Mango, Jamshedpur, Jharkhand-831012
Contact: +91-9102552064, +91-6207784971